جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

کتب خانہ
جامعہ مدنیہ جدید
محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد
عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ
بانیٔ جامعہ مدنیہ

نگران
مولانا سید رشید میاں مدظلہ
مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اکتوبر سنہ ۱۹۹۶ء

جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۷ھ

بہترین دن، بہترین مہینے، بہترین اعمال

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما سے پُوچھا گیا بہترین دن کون سا ہے۔ بہترین مہینہ کون سا ہے اور بہترین عمل کیا ہے ؟

آپ نے جواب دیا بہترین دِن تو جمعہ کا دِن ہے اور بہترین مہینہ رمضان کا مہینہ ہے اور بہترین عمل نماز پنجگانہ کو پابندی کے ساتھ اپنے وقت پر ادا کرنا۔

تین دن گزرنے کے بعد حضرت علیؑ کو معلوم ہُوا کہ حضرت ابن عبّاسؓ نے اس شخص کے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر مشرق و مغرب کے تمام علماء، حکماء اور فقہاء سے بھی یہ سوال کیا جاتا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ دے سکتا، لیکن مَیں اتنا عرض کرتا ہُوں کہ تیرا بہترین عمل وہ ہے جسے اللہ قبول کر لے۔ بہترین مہینہ وہ ہے جس میں تو اللہ کی جناب میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیے صدقِ دِل سے خالص توبہ کر لے اور بہترین دن وہ ہے جبکہ اللہ کے نزدیک اس حال میں جائے کہ تیرا دِل نورِ ایمان سے منوّر ہو چکا ہو۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، ص: ۶۲، ۶۳)

کتب خانہ
جامعہ مدنیہ جدید
محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد: ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ - اکتوبر ۱۹۹۶ء شمارہ: ۱

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ------	سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ---	″	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش -------	″	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ --------	″	۱۶ ڈالر
برطانیہ ----------	″	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۲۷۳
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ۔۔۔۔۔۔ ۳

درسِ حدیث ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا سیّد حامد میاں ؒ ۔۔۔۔۔۔ ۶

رحمۃ للعالمینؐ اور سیاسی انقلاب ۔۔۔۔۔۔ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمّد میاں ؒ ۔۔۔۔۔۔ ۹

دیوانہ کچھ کہہ نہ سکا (نظم) ۔۔۔۔۔۔ جناب سیّد امین گیلانی ۔۔۔۔۔۔ ۱۴

حیلے اور بہانے ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندی شہری ۔۔۔۔۔۔ ۱۵

مجالس ذکر کی شرعی حیثیّت ۔۔۔۔۔۔ حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی ؒ ۔۔۔۔۔۔ ۲۱

حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا نعیم الدّین ۔۔۔۔۔۔ ۲۵

تازیانہ (نظم) ۔۔۔۔۔۔ سلیمہ بنت حامد بن محمّد ۔۔۔۔۔۔ ۴۱

تحفۂ اصلاحی ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۴۲

علاقائی حقوق ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۴۸

حاصلِ مطالعہ ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۵۵

تقریظ و تنقید ۔۔۔۔۔۔ ۵۹

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

اللہ رب العزّت نے نبی علیہ السّلام کے ذریعہ قرآن پاک اور احادیث مُبارکہ میں جگہ جگہ پہلی اُمّتوں کی سرکشی بدمستی اور اعمال بد کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کو بُرائیوں سے باز رہنے کے لیے نبیوں کے ذریعے پہلے پہل ناصحانہ انداز اختیار فرمایا، پھر بھی باز نہ آئے تو مزید سخت لہجہ میں اُن کو خبردار کیا جاتا رہا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو خبردار ہو کر تائب ہُوئے، بدنصیبی ہے اُن کے لیے جو سرکشی میں بڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا اور آئندہ آنے والوں کے لیے ان کو عبرت بنا دیا گیا۔ نبی علیہ السلام کی اُمّت کے لیے بطورِ عبرت یہی واقعات کافی ہونے چاہییں۔ جن میں پہلی اُمّتوں پر بھیانک عذاب کا اُترنا اور اُن کے نیست و نابود ہو جانے کا تذکرہ ہے۔

مگر افسوس کہ فی زمانہ اُمّت نے غفلت کی ایسی چادر لپیٹی ہے جو اُترنے کا نام نہیں لیتی اور اُمّت تباہی اور بربادی بغاوت و سرکشی کے راستہ پر اس تیزی سے چلی جا رہی ہے کہ کسی ناصح کی نصیحت اور رہبر کی رہبری ایک بے اثری سی چیز ہو کر رہ گئی ہے بلکہ گالی سمجھی جانے لگی ہے۔ داعی حق کا مذاق اُڑانا وقت گزاری کے لیے بہترین مشغلہ بن گیا ہے۔ اس کو حقارت سے دیکھنا معاشرہ کی بیداری کی علامت سمجھا جانے لگا ہے۔

جب بے راہ روی اس حد کو پہنچتی ہے تو دستورِ الٰہی یہ ہے کہ اس کا عذاب مختلف شکلوں میں نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ کے عذاب کی بڑی نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ ہر طبقہ اس کی لپیٹ میں

آجاتا ہے اور اس کے آگے کوئی بند نہیں باندھا جاسکتا۔ ہر طاقت اس کے سدِّباب سے عاجز آجاتی ہے، چنانچہ خدائی عذاب گزشتہ چند سالوں سے قتلِ عام کی شکل میں ملک کے بڑے شہروں سے شروع ہو کر چاروں طرف پھیلتا ہی چلا جارہا ہے حتّٰی کہ عبادت گاہوں میں قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور بڑھتے بڑھتے اس سلسلہ نے حکمرانوں نوکر شاہی عدالت کے ججوں اور فوج کے افسران کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ اللہ کی نافرمانیوں میں عوام سمیت مذکورہ بالا طبقہ برابر کا شریک ہے۔ گزشتہ ماہ کی ۲۰ ستمبر کو ملک کی موجودہ وزیرِ اعظم بینظیر بھٹو کے بڑے بھائی میر مرتضٰی بھٹو کراچی میں پولیس کے ہاتھوں پُر اسرار انداز میں قتل کر دیے گئے۔ اس سے ایک ڈیڑھ ماہ پیشتر سرگودھا کے کمشنر کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بڑی بڑی شخصیات کے قتل جو آئے دن اخبارات میں نظر سے گزرتے رہتے ہیں حکمرانوں اور با اختیار طبقہ کے ساتھ ساتھ عوام کے لیے بھی خدائی تنبیہات ہیں کہ اب بھی موقع ہے کہ میری نافرمانی ترک کر کے میرے دیے ہوئے فطری اور عدل و انصاف والے نظام کو اپنالو اور ظالمانہ نظام کو ترک کر کے تائب ہو جاؤ۔

قرآنِ پاک میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔ فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شیئ حتّٰی اذا فرحوا بما اُتوا اخذنا هم بغتة "فاذا هم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد لله رب العلمین (پ ۷ ر ۱۱) ترجمہ: پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو جو اُن کو کی گئی تھی کھول دیتے۔ ہم نے ان پر دروازے ہر چیز (نعمت) کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے (مست ہوئے) ان چیزوں میں جو اُن کو دی گئیں پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید (مایوس) پھر کٹ گئی جڑ اُن ظالموں کی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ نیز متنبہ فرما دیا کہ جب مجرم کو ابتداً ہلکی تنبیہ کی جائے تو اس کو معًا خدا کی طرف رجوع ہونا چاہیے سخت دلی اور اغوائے شیطانی سے اسے ہلکا نہ سمجھے موضح القرآن میں ہے کہ گنہگار کو اللہ تعالیٰ تھوڑا سا پکڑتا ہے اگر وہ گڑگڑایا اور توبہ کی تو بچ گیا اور اگر اتنی پکڑ نہ مانی تو پھر بھلاوا دیا اور وسعت عیش کے دروازے کھولے جب نعمتوں کی شکر گزاری اور انعام و احسان سے متأثر ہونے کے بجائے خوب گناہ میں غرق ہوا تو دفعۃً بے خبر پکڑا گیا . . . . . .

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها

ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرنٰھا تدمیرا (پ ۱۵ ۲۷) ترجمہ: اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انھوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہوگئی ان پر بات (یعنی مستحق عذاب ہوگئے) پھر اکھاڑ مارا ہم نے اُن کو اُٹھا کر۔

علامہ عثمانیؒ فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی بداعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے

اوّل پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام ان کو پہنچاتے جاتے ہیں خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بند نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں اس وقت وہ بستی اپنے کو اعلانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔ من حیث القوم ہم نے جو روش اختیار کر رکھی ہے یہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں بغاوت اور سرکشی ہے جس کا انجامِ بد ان دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا خیر اسی میں ہے کہ لوگ اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے باز آجائیں علماء ملت اور داعیان حق کا مذاق اُڑانے کے بجائے ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے احکامات الٰہی کے آگے اپنے سروں کو خم کر دیں اسی میں ہم سب کی خیر اور مصائب سے نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے تائب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہّ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ" انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۲ سائیڈ بی ۳۰ مئی ۱۹۸۲ء

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّدؐ وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد : عَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ فَکُنْتُ اَقُوْلُھُنَّ فَقَالَ اَیْ بُنَیَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ ھٰذَا ؟ قُلْتُ عَنْکَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُھُنَّ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَعْدِلُ الْکُفْرَ بِالدَّیْنِ قَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رجلٌ وَیَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ [1]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۸

ترجمہ: حضرت مسلم بن ابی بکرہؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ" میں بھی یہ دُعا مانگنے لگا۔ والد صاحب نے مجھ سے پُوچھا کہ بیٹا تم نے یہ دُعا کہاں سے سیکھی۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ سے سیکھی ہے، فرمایا کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر نماز کے بعد یہ دُعا مانگا کرتے تھے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سُنا "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ" اے اللہ میں تجھ سے کُفر اور قرضہ سے پناہ مانگتا ہوں ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کیا آپ کُفر کو قرضہ کے برابر گردانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں ایک روایت میں آپ سے دُعا کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ اے اللہ میں تجھ سے کُفر اور فقر و فاقہ سے پناہ چاہتا ہوں اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا کُفر اور فقر و فاقہ دونوں برابر ہیں؟ فرمایا: ہاں

ایک صحابی ہیں وہ ہر نماز کے بعد ایک دُعا مانگا کرتے تھے، اُن کے بیٹے نے یہ کیا کہ باپ کو جب ایک دُعا مانگتے ہوئے دیکھا اور ان سے وہ کلمات سُنے تو خود بھی مانگنے لگے وہی دعا، نماز سے فارغ ہو کر اُنھوں نے ایک دن وہی کلمات کہے جو والد کہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ یہ کہاں سے تو نے سیکھے باپ نے بیٹے سے پُوچھا۔ بیٹے نے کہا کہ مَیں نے یہ جناب سے سیکھے، آپ یہ کلمات ادا کرتے ہیں نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں بھی یہ کہنے لگا تو اُنھوں نے کہا کہ ہاں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز کے بعد یہ کلمات ادا فرماتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کُفر اور فقر سے اور عذابِ قبر سے۔

تین چیزیں ہیں، کُفر ہے فقر ہے۔ عذابِ قبر ہے۔ ان تین چیزوں سے دُعا کی گئی پناہ کی، اَعُوْذُ بِكَ تیری پناہ چاہتا ہوں کہ ان چیزوں سے تو مجھ کو اپنی پناہ میں رکھ لے۔

ایک حدیث میں اسی طرح کے کلمات اور بھی آتے ہیں، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ کُفر اور قرض سے پناہ چاہتا ہوں، ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا کُفر اور قرض یہ برابر ہو سکتے ہیں جو یہ ذکر ساتھ ساتھ ہو رہا ہے ان کا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں یعنی کبھی کبھی ایسے ہو جاتا ہے کہ آدمی فقر میں مبتلا ہو کر پریشانیوں میں گھر کر اس طرح خراب ہو جاتا ہے جیسے کُفر سے

خراب ہو جاتا ہے، تو ایک حد تک برداشت ہوتی ہے اور اگر برداشت سے زیادہ کوئی چیز ہو جائے تو پھر نتیجے اور ہوتے ہیں اس کے، تو اللہ تعالیٰ سے آپ نے پناہ چاہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی نہ پیش آنے پائیں کہ جو برداشت سے باہر ہو جائیں اگرچہ یہ بھی تلقین ہے کہ برداشت کرو، صبر کرو، اللہ سے توقع رکھو، کام جاری رکھو، کوشش جاری رکھو اور خدا پر نظر رکھو یہ حکم ہے اور اس میں مدد ہوگی، اللہ کی طرف سے اور ہوتی ہے۔

خالی بیٹھ رہنا اس پر توکل کر کے یہ تو بتایا نہیں شریعت نے، خالی بیٹھ رہنا عبادت کے لیے بھی تارک الدنیا ہو کر وہ بھی پسند نہیں فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یہ تارک الدنیا ہو کر بیٹھنا یہ اسلام میں نہیں ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی اقتصادیات کا بڑا خیال رکھا ہے اور اقتصادیات معاشیات رہن سہن، آمدنی یہ جو ہے اس کو پورا کرنا ایک اپنی کوشش سے ہوتا ہے ایک دعا سے ہوتا ہے تو اپنی کوشش بھی اور خداوندِ کریم سے دعا بھی ہو اور فقر احتیاج حاجت مندی یہ انسان کو بڑے بڑے معاصی میں مبتلا کر دیتی ہے، اس واسطے اس سے زیادہ پناہ چاہی گئی ہے اور حدیث شریف میں یہ کلمات آگئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیے اُمت کو، تعلیم فرما دیے۔ اس سے ایک یہ فائدہ ہوا کہ دعا ہو گئی خدا سے مانگنے کے لیے وہ کلمات مل گئے جن کلمات سے دعا کی گئی اور دوسرے نظریات مل گئے، تعلیم مل گئی کہ ان حالات میں اس طرح سے ایسے بات کرنی چاہیے یہ کہنا چاہیے، تو اسلام میں تمام تعلیمات ہیں اور جو اسلام میں دعائیں سکھائی گئی ہیں اُن دعاؤں کے بھی اثرات ہیں اور اُن میں بھی ذہن سازی ہے لوگوں کی، ذہن سازی اُن میں یہ ہے کہ خدا کی طرف رجوع تو بہرحال ہے چاہے فقر سے پناہ مانگ رہا ہو، کفر سے پناہ مانگ رہا ہو، قرض سے پناہ مانگ رہا ہو۔ بہرحال خداوندِ قدوس کی طرف توجہ کرنی لازمی ہے، اللہ کی طرف توجہ رکھے اور زبان سے اچھے کلمات ادا کرے اور معاشی حالت درست کرنے کی جان سے کوشش کرے تو پھر کامیابی ضرور ہوگی اور اس طرح کی پریشانیوں سے جو قابلِ برداشت نہ ہوں انسان ضرور بچا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

ذیل میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ کی ایک نادر تحریر پیش کی جارہی ہے جو آپ نے رحمۃ للعالمین اور سیاسی انقلابات کے عنوان سے لکھی تھی۔ آپ کی یہ تحریر عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں ادارہ کو ایک قدیم لائبریری سے دستیاب ہوئی تھی۔ (ادارہ)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اور

سیاسی انقلابات

پہلا باب

خاتم الانبیاء اور تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کو

دنیا میں کیوں مبعوث فرمایا گیا

(۱)

خداوندی فرمان :

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (قرآن حکیم)

ہم نے تم کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ مہربانی کریں سارے جہانوں پر

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

حق جل مجدہٗ نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو پانچ باتوں کا حکم فرمایا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کی ہدایت کریں۔ حضرت یحییٰ نے ان کی تبلیغ میں کسی قدر تاخیر کی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ آپ تبلیغ کریں۔ ورنہ مجھے فرمائیے میں ان باتوں کا اعلان کر دوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام :

---

[1] ترمذی شریف۔ ابواب الامثال۔ باب ماجا مثل الصلوٰۃ والصیام والصدقۃ

جس تبلیغ کا مجھ کو حکم ہوا ہے، اگر اس میں آپ نے پیش قدمی کی تو مجھے خطرہ ہے کہ مجھ کو زمین میں دھانس دیا جائے۔ یا اور کسی عذاب میں مبتلا کیا جاؤں۔

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے بیت المقدس میں آدمیوں کو جمع کیا۔ سارا بیت المقدس کھچا کھچ بھر گیا۔ چھتوں پر بھی آدمی ہی آدمی تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تقریر فرمائی:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے کہ میں خود بھی اُن پر عمل کروں اور تم سے بھی عمل کراؤں۔

پہلی بات اللہ کی عبادت کرو، اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ جو خُدا کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے۔ اُس کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے خاص اپنا سونا یا چاندی خرچ کر کے ایک غلام خریدا، اور اس سے کہہ دیا کہ یہ میرا مکان ہے اور یہ کام ہے۔ تم کام کرو، اور مجھ کو دیتے رہو۔
وہ غلام کام کرتا ہے، مگر آقا کے سوا آمدنی دوسروں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ تم بتاؤ۔ کیا تم میں سے کوئی راضی ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟"

دوسری بات خدا نے تم کو نماز کا حکم کیا ہے جب تم نماز پڑھا کرو تو کسی اور طرف متوجہ مت ہو۔ کیونکہ حق جل مجدہٗ کی توجہات عالیہ بندہ کی جانب (حالت نماز میں) منعطف رہتی ہیں جب تک بندہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہو۔

تیسری بات خُدا نے تم کو روزے کا حکم دیا ہے۔ روزے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص جو ایک گروہ میں ہے، اس کے پاس مُشک کی ایک تھیلی ہے۔ ہر شخص اس کی خوشبو سے مُعطر ہو رہا ہے۔ بلا شبہ روزہ دار کی خوشبو اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔

چوتھی بات خُدا نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے۔ صدقہ کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو دُشمن نے قید کر لیا اس کے ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ دیے اور اس کو مقتل کی جانب قتل کے ارادہ سے لے چلا۔ اس مقید نے کہا۔ میں کُل مال فدیہ میں پیش کرتا ہوں، چنانچہ اس نے فدیہ پیش کر کے اپنی جان بچالی۔

پانچویں بات تم کو حکم ہے کہ اللہ کی یاد کرتے رہو، یاد الٰہی کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے تعاقب میں دُشمن یورش کرتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ ایک محفوظ قلعہ پر پہنچا اور قلعہ بند ہو کر اپنی جان بچالی۔ ایسے ہی یاد رکھو کہ بندہ اپنی جان شیطان سے صرف اسی طرح بچا سکتا ہے کہ اللہ کی یاد رکھے۔

رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خصوصی احکام

رسول اللہ صلّی علیہ وسلّم نے فرمایا:

خُدا نے مجھے خُصوصیّت سے پانچ باتوں کا حکم فرمایا ہے۔ جن کا مَیں تمہیں حُکم دیتا ہُوں۔

(۱) السمع (یعنی) خلیفہ اسلام کے احکام سُننا

(۲) الطاعۃ (یعنی) یعنی خلیفہ اسلام کے احکام کی اطاعت

(۳) جہاد

(۴) ھجرت

(۵) جماعت (پارٹی)

کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہُوا اُس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال پھینکی، مگر اس صورت میں کہ وہ پھر واپس ہو جائے اور جو شخص جاہلیت (اسلام سے پیشتر کی۔ نسلی اور جغرافیائی یا سرمایہ دارانہ تقسیم کا حامی ہو کر) اُس کا نعرہ لگاتا ہے وہ جہنّم کی پارٹی میں ہے۔

کسی شخص نے کہا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ روزے رکھتا ہو۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم: اگرچہ نماز پڑھتا ہو۔ روزے رکھتا ہو۔

اے اللہ کے بندو اللہ کا نعرہ لگاؤ جس نے تمہارا نام مسلم و مومن رکھا ہے۔

(ترمذی[1] شریف ص ۱۰۹ و ص ۱۱۱ ج ۲)

نتیجہ

عبادات کی تعلیم تمام انبیاء علیہم السلام نے دی۔ بندگی بہرحال بندہ کا فرض منصبی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کا خاص

---

[1] قال الترمذی رحمہ اللہ - ھذا حدیث حسن صحیح غریب - ۱۲

ود یہ ہے کہ "سیاست کو آئینہ رحمت بنا دیا جائے"۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دوسرا باب

حقوق انسانیت

جامعہ بشریت کے بنیادی مطالبات

فہ وحجۃ اللہ البالغہ مصنّفہ حجۃ الاسلام سیّدنا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز
اُستاذ علماء ہند متوفی ۱۱۷۶ھ

ور اُس کے خواص

کھانے، پینے، رہنے سہنے، گرمی اور سردی سے بچنے، اولاد پیدا کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور اپنی جان کو آفتوں سے بچانے کا ہر ایک

ے۔

الم نے جس طرح جانداروں کی الگ الگ قسمیں بنائیں ان قسموں کے بموجب اُن کو ان تمام مل کرنے کی صُورتیں بھی سمجھا دیں۔

نہد کی مکھی کو لے لو پھلوں کے چوسنے، چھتا بنانے، شہد نکالنے، بچے پیدا کرنے اور پھر اجتماعی ، ایک سردار "یعسوب" کی فرمانبرداری وغیرہ وغیرہ کے تمام ہی طریقے فطری طور پر اس کو یں۔ اسی طرح ہر جاندار کو دیکھو۔ اس کی خاص قسم کے بموجب کچھ تفاوت تو ہوگا، مگر ان باتوں کو وہ قدرتی طور پر جانتا ہوگا اور ان پر عامل ہوگا۔

انسان بھی، کھانے پینے رہنے، حفاظت نسل، حفاظت جان وغیرہ وغیرہ کا فطری طور ان تمام چیزوں کا احساس فطری ہے جس میں ہر ایک انسان مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ ور جانداروں کی بہ نسبت کچھ خاص امتیازات کا حامل ہے تو انہیں صنفی اور نوعی امتیازات

ے الاعلی۔ الذی خلق فسوی۔ والذی قدّر فهدی

کے بموجب اُس کو تین وصف خاص طور پر عطا کیے گئے

(۱) کسی اُصولی نظریہ پر غور و خوض کے بعد اس کے لیے آمادہ اور مصروف جد و جہد ہو جانے کی قوت ۔

(بالفاظ دیگر) اُصولی طور پر کوئی نصب العین معین کر کے اس کے لیے کوشش اور سعی کرنا۔

(یعنی) عام جاندار، بھوک، پیاس جیسے کسی طبعی اقتضا کے پیدا ہونے پر کسی حسی یا وہمی غرض کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ جب بھوک لگتی ہے تو خوراک تلاش کرتے ہیں۔ جب شکاری کو دیکھ لیتے ہیں تو بھاگنے دوڑنے کی فکر کرتے ہیں، مگر انسان بسا اوقات کسی ایسی چیز کو سوچتا ہے جس کا طبعی اور مادی طور سے سردست کوئی تقاضا نہیں۔ ہاں عقلی اور فطری طور پر اس میں نفع بے شک ہوتا ہے۔ یہ اس عقلی نفع کے استحصال کے لیے سرتا پا جد و جہد بن جاتا ہے۔

(۲) ظرافت۔ یعنی عقل یا نفس کے تقاضے کی چیزوں میں بہتری اور عمدگی کی خواہش۔

تشریح: عام جاندار صرف اسی چیز پر قناعت کر لیتے ہیں کہ اُن کی ضرورت پوری ہو جائے مگر انسان چاہتا ہے کہ کھانے پینے، لباس پوشاک، بود و باش کی بہتر سے بہتر صورت حاصل ہو۔ عمدہ خوراک، اچھا لباس ہو، عالی شان مکان ہو، کوئی حسینہ جمیلہ، رفیقہ حیات ہو وغیرہ وغیرہ

(۳) عقل اور استعداد کا تفاوت۔ یعنی کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جو مبادی اور اُصول قائم کر سکتے ہیں اُصولی نصب العین بنا سکتے ہیں۔ ضرورت کے بموجب ایجاد کر سکتے ہیں۔ دوسرے انسان اس سے تو قاصر رہتے ہیں البتہ ان ضرورتوں کا اجمالی احساس اُن کو بھی ہوتا ہے۔ جن کے پیش نظر اُصولی نظریے مرتب کیے جائیں۔

مثل مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ مگر اس ماں سے بچّہ پیدا کرنا ہر شخص کا کام نہیں، مثلاً ایک انسان بھوکا تھا۔ اس نے ایک درخت دیکھا اس کے پتے کھا کر پیٹ بھر لیا۔

لیکن ایک دوسرا شخص تھا۔ اس نے درختوں میں امتیاز کیا۔ دانوں اور غلوں میں انتخاب کیا مخصوص غلّے غذا کے لیے منتخب کیے۔ پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے پیداوار کے طریقوں پر غور کیا۔ بونے جوتنے۔ آب پاشی کرنے کاٹنے۔ صاف کرنے کے طریقے ایجاد کیے۔ آب پاشی کے لیے کوئیں بنانے کا طریقہ نکالا۔ اس کیلئے چرس۔ رہٹ وغیرہ ایجاد کیے۔ کچّا غلّہ معدہ میں زود ہضم نہ تھا۔ نہ اتنا لذیذ تھا۔ تو پیسنے پکانے۔ چھاننے وغیرہ کے طریقے ایجاد کیے۔

وہ پتے کھانے والا غبی اور نادان انسان ان تمام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر خوش تو ہوتا رہا، مگر یہ اس کے

(بقیہ بر صفحہ ۲۰)

فرزانہ کچھ کہہ نہ سکا
دیوانہ چُپ رہ نہ سکا

تم نے دیکھے ہی نہیں حوصلے دیوانوں کے
روندتے پھرتے ہیں سینے وہ بیابانوں کے

اُڑ کے آ پہنچے کہ نذرانہ جاں پیش کریں
شمع روشن ہُوئی، پَر لگ گئے پروانوں کے

رند جائیں تو کہاں جائیں بڑی مشکل ہے
اِک زمانہ ہُوا، در بند ہیں میخانوں کے

آج کے دَور میں پیدا ہُوئے کیسے انسان
شکل اِنسانوں کی ہے دل نہیں انسانوں کے

ایسا ابتر نہ ہُوا تھا، کبھی بازار جہاں
سَودے ہوتے ہیں کھلے طور پہ ایمانوں کے

قہقہے گُونج رہے ہیں تو ہے نالوں کا بھی شور
کہیں پردے ہی نہ پھٹ جائیں میرے کانوں کے

ڈُوبنے والو، اُن اسلاف کے اخلاف ہو تم
ہنس دیا کرتے جو رُخ پھیر کے طوفانوں کے

حیف ہے، تم انہی آباء کی ہو اولاد کہ جو
تخت اُلٹ دیتے تھے در توڑ کے ایوانوں کے

جِن کے ہاتھوں میں یہ آ پہنچی حکومت کی زمام
حسرتیں لُٹ گئیں دم گھُٹ گئے ارمانوں کے

مجھ کو محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہم سب ہیں اسیر
جتنے حاکم ہیں وہ دربان ہیں زندانوں کے

کوئی سوچے یہ قیامت ہے کہاں سے آئی
ہر طرف لاشے ہیں بکھرے ہُوئے بے جانوں کے

کس نے برباد کیا ہے مِرے میخانے کو
خُم شکستہ ہُوا، ٹکڑے ہوتے پیمانوں کے

ساتھ دیتی نہیں تقدیر بھی بے ہمّت کا
کام آتا نہیں کوئی بھی تن آسانوں کے

ہارنے والو، یہ قسمت کا لکھا کیوں نہ پڑھا
جیتنے والے دھنی ہوتے ہیں میدانوں کے

جوڑ کر اِن کو عَلم اپنا بنا لیں مظلوم
ظالموں نے کیے ٹکڑے جو گریبانوں کے

مَیں اذاں دوں تو یہ ہو جاتے ہیں مجھ سے ناراض
یُوں تو اِس بستی میں سب گھر ہیں مسلمانوں کے

اپنے دیوانوں کو اِک بار اشارہ تو کرو
ڈھیر لگ جائیں، چوراہوں میں گریبانوں کے

جن کو دعوٰی تھا امیںؔ اپنی سخن دانی کا
ہونٹ کیوں بند ہیں آج اُن ہی سخن دانوں کے

جناب سیّد امین گیلانی صاحب

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم (قسط:۶)

حیلے اور بہانے

تصویر بنانے والوں کا حیلہ اور ان کی تردید

(۱۸) بہت سی احادیث میں تصویر بنانے کی سخت ممانعت آئی ہے اور اس پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ دَورِ حاضر کے لوگوں کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ تصویریں کھینچنے اور کھنچوانے کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اور دیدہ و دانستہ قصداً وارادۃً تصویر کھینچتے اور کھنچواتے ہیں اور اس میں ذرا بھی گناہ محسوس نہیں کرتے اگر کوئی شخص منع کرے تو کہتے ہیں کہ صاحب عرب بُت پرست تھے۔ جنہوں نے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت اور تبلیغ کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا اور بُت پرستی سے توبہ کی تھی چونکہ اُن کا بُت پرستی کا زمانہ قریب ہی گزرا تھا، اس لیے بُت پرستی کا مادہ ختم کرنے کے لیے تصویر تک کو حرام قرار دے دیا گیا تھا، اَب جبکہ مُسلمانوں میں بُت پرستی نہیں رہی لہٰذا تصویر کی حُرمت بھی نہیں رہی۔ لہٰذا اَب تصویر کھینچنا کھنچوانا جائز ہوگیا۔ (العیاذ باللہ)

یہ ان لوگوں کی جاہلانہ دلیل ہے اور اُنھوں نے تصویر کو جائز قرار دینے کے لیے یہ حیلہ تراشا ہے، اور تصویر کے حرام ہونے کی جو علّت اُنھوں نے نکالی ہے۔ خود تراشیدہ ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو یُوں نہیں فرمایا تھا کہ چونکہ عرب نئے نئے مُسلمان ہُوتے ہیں اس لیے تصویر کشی کو حرام قرار دے رہا ہوں پھر جب بُت پرستی سے مُسلمان محفوظ ہوجائیں گے اس وقت تصویر حلال ہوجائے گی۔ احادیثِ شریفہ میں جو ممانعت آئی ہے وہ توعام اور مطلق ممانعت ہے اپنی طرف سے علّت گھڑنا اور شریعت کے حکم کو بدل دینا بڑی بے دینی کی بات ہے، حدیث شریف میں تو تصویر کی ممانعت کی یہ علّت بتائی ہے کہ یُضَاهُوْنَ خَلْقَ اللّٰہِ[۱] (کہ یہ لوگ اللہ جل شانہٗ کی خالقیت میں مقابلہ کرتے ہیں۔)

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۵ از بخاری و مسلم ۱۲

نوٹ اور پاسپورٹ کی تصویر کا حیلہ

(١٩) بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر تصویر حرام ہے تو آپ لوگ پاسپورٹ کے لیے تصویر کیوں کھنچواتے ہیں ؟ اور نوٹوں میں بھی تو تصویر ہے نوٹ پاس کیوں رکھتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہُوا کہ جب نوٹ اور پاسپورٹ کی تصویر جائز ہے تو ہر تصویر جائز ہونی چاہیے۔ شیطان نے یہ حیلہ بھی خُوب سجھایا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ پاسپورٹ پر فوٹو لگانے کا قانون جس کسی نے بنایا ہے اس نے قانُون خداوندی کی صریح مخالفت کی ہے۔ جن ممالک کے سربراہ مُسلمان ہیں ان پر واجب ہے کہ اس قانُون کو واپس لیں اور دوسرے امتیازات اور نشانات کا اندراج کر کے پاسپورٹ بنائیں۔

سب مُسلمان اپنے مذہب پر جمیں تو پُوری دُنیا بھی اطاعت کرے گی

سب مُسلمان ممالک آپس میں اس پر عمل کریں اور بغیر فوٹو کا پاسپورٹ آپس میں تسلیم کریں جب اس پر جمیں گے اور سب مل کر یہ اعلان کر دیں گے کہ ہمارے یہاں پاسپورٹ بغیر تصویر کے ہوگا۔ کیونکہ ہمارے نبی پاک ہادی عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تصویر کشی سے منع فرمایا ہے تو بین الاقوامی دُنیا بھی اس کو تسلیم کرے گی کیونکہ سب جان لیں گے کہ یہ لوگ اپنے دین سے مجبور ہیں۔ دیکھو سکھ قوم دُنیا میں جہاں بھی ہے اس کی خُوب بڑی بڑی ڈاڑھیاں ہیں اور پگڑی باندھنے کو لازم سمجھتے ہیں، دُنیا کی قوموں کو معلوم ہے کہ یہ قوم اپنے مذہب کی پابند ہے اس لیے سب ان کا لحاظ کرتے ہیں۔ وہ فوجوں میں بھی ہیں اور پولیس میں بھی ہیں لیکن وردی میں اُن کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے دوسری قوموں کے سپاہی وردی میں پگڑی نہیں باندھ سکتے، لیکن سکھ پگڑیاں باندھے ہُوئے فوجوں میں بھی شامل ہیں اور حکومتوں کے دوسرے محکموں میں اپنی پگڑی باندھے ہُوئے کام کرتے ہیں ان کو کوئی بھی مجبور نہیں کرتا کہ پگڑیاں اُتار دو اور دوسری قوموں کی طرح وردی میں رہو، اگر ہم اپنے دین پر مضبوط ہوں تو ساری دُنیا کی قومیں ہماری مذہبی مضبوطی کو دیکھ کر ہمارے لیے ایسے قوانین بنانے پر مجبور ہوں گی جو ہمارے دین کے مخالف نہ ہوں۔

اسی طرح سے جو مسلمان حکمران ہیں ان پر لازم ہے کہ بغیر تصویر کا نوٹ شائع کریں، لیکن چونکہ مسلمان حکمران غیر قوموں کی دیکھا دیکھی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کو لازم قرار دے چُکے ہیں اور نوٹ

بھی بغیر تصویر کے نہیں چھاپتے اس لیے مجبوراً فوٹو کھنچوانا پڑتا ہے اور نوٹ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

حالتِ اضطرار و اختیار میں فرق

مجبوری میں کسی کام کا جائز ہونا اور بات ہے اور بغیر مجبوری کے اس کو اختیار کرنا دوسرا امر ہے، مجبوری والی چیز پر بغیر مجبوری کی چیز کو قیاس کرنا قیاسِ باطل ہے، دیکھو جب بھوک کی وجہ سے جان جا رہی ہو تو مُردار کا گوشت بھی کھانا جائز ہے وہ بھی چند لقمے جس سے جان بچ جائے، اس موقع پر بھی پیٹ بھر کھانا جائز نہیں سب کو معلوم ہے کہ بغیر مجبوری کے مُردار کھانے کی ذرا بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص مُردار کھائے اور یوں کہے کہ جو شخص بھوک سے مر رہا ہو، چونکہ اسے مُردار کھانے کی اجازت ہے اس لیے میں بلا مجبوری بھی کھاتا ہوں تو ایسے شخص کو سب احمق اور جاہل کہیں گے، جب پاسپورٹ شناختی کارڈ کی مجبوری نہ ہو تو لہو ولعب کے طور پر فوٹو کھنچوانا اور اس کو آرٹ سمجھنا اور ممانعت کی احادیث شریفہ پیش کرنے والے کو دقیانوسی قرار دینا اور اس کا مذاق بنانا کہاں تک درست ہو سکتا ہے ؟ اپنے ایمان سے فیصلہ لے لیں،

مصری علماء تصویر کو جائز کہتے ہیں اس حیلہ کی تردید

(۲۰) بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ مصر کے عُلماء تو تصویر کو جائز کہتے ہیں ہندوستان پاکستان کے مولویوں کو کیا ہوا کہ یہ تصویر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیا مصر کے علماء نے حدیث نہیں پڑھی ؟

ہندو پاک اور مصری علماء میں فرق

ان لوگوں کو مصری عُلماء کا حال معلوم نہیں ہے، عُلمائے مصر میں تقویٰ کی شان بہت کم ہے وہاں تو محدث و مفسر و مفتی ڈاڑھی منڈے ہوتے ہیں اور یورپ کے فیشن اور فسق کے سیلاب میں اپنے آپ کو بہا چکے ہیں وہاں جو فیشن اور آرٹ رواج پکڑلے اس کو ترقی سمجھ کر جائز کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور احادیثِ شریفہ کی بیجا تاویلیں کرتے ہیں اور ہمارے اکابر و مشائخ جنھوں نے ہندوستان اور پاکستان میں دینی خدمات انجام دی ہیں اور علمِ صحیح اور عملِ صحیح پر قائم ہیں اور تقویٰ و طہارت سے اللہ پاک

نے ان کو نوازا ہے وہ ہر نئی چیز کا حکم قرآن و حدیث اور کتبِ فقہ میں تلاش کرتے ہیں، رواج کی رَو میں نہیں بہہ جاتے، وہ ڈنکے کی چوٹ سے حق ظاہر کرتے ہیں، گناہ کو گناہ اور ثواب کو ثواب بتاتے ہیں۔ مصر کے علماء عوام کا حال چال دیکھ کر کچے پڑ گئے اور حدیثوں میں تاویل کرنے لگے۔ ہمارے علماء حق پر جمے ہوتے ہیں ہمیشہ حق واضح کرتے ہیں، اہلِ حق و اہلِ تقویٰ علماء ہی کا اتباع لازم ہے۔ وہ کیا عالم ہے جو رواج کی رَو میں بہہ جائے اور صرف دُنیا و اہلِ دُنیا پر نظر رکھے اور اظہارِ حق سے کترائے۔

کاغذی تصویر اور مجسمہ میں فرق کرنے والوں کی غلطی

(۲۱) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تصویر کو جائز کرنے کے لیے یہ تاویل کرتے ہیں کہ مجسّمہ (یعنی مورتی) بنانا اور رکھنا حرام ہے اور تصویر ہوتے ہوئے گھر میں فرشتوں کا داخل نہ ہونا ایسی مورتی سے متعلق ہے اور کاغذ وغیرہ پر جو تصویر ہو کیمرہ سے لی جائے، ہاتھ سے بنائی جائے۔ یہ (العیاذ باللہ) ممانعت میں داخل نہیں۔

یہ ان لوگوں کی تاویل غلط ہے احادیث شریفہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم سے لے کر آج تک کے مفتی اور محقق و محدّث حضرات نے احادیث شریفہ سے یہی سمجھا ہے کہ مورتی بنانا اور کاغذ اور دیوار وغیرہ پر تصویر بنانا، یا کیمرے وغیرہ سے تصویر لینا اور رکھنا یہ سب حرام ہے اور گھر یا دُکان میں ان میں سے کوئی بھی تصویر ہو تو رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے چونکہ تصویر کشی عام ہو گئی اور گھر گھر کیمرے آگئے، اس لیے نفس کو بہلانے کے لیے یہ بہانہ نکالا گیا ہے کہ مورتی حرام ہے اور کاغذ پر جو تصویر ہو وہ حرام نہیں ہے تاکہ تصویر کشی کرتے رہیں اور گھروں اور دُکانوں میں تصویریں لٹکاتے رہیں اور اپنے خیال میں گنہگار بھی نہ ہوں۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے تاویل کرنے اور گھما پھرا کر حرام کو حلال کہہ دینے سے حرام حلال نہیں ہوگا، خُوب سمجھ لیں کہ گناہ، گناہ ہی ہے تاویل کرنے سے حلال نہیں ہو جاتا، پھر ہم تو دیکھتے ہیں کہ صرف کاغذی تصویروں پر ہی فیشن کے دلدادہ اکتفا نہیں کرتے، بلکہ مورتیاں الماریوں میں رکھے رہتے ہیں۔ آرٹ کے نام سے جہاں اور بہت سے گناہ زندگی میں شامل ہو گئے ہیں، ان میں تصاویر بنانا، کیمرے لیے لیے پھرنا، تصویروں سے گھروں اور دُکانوں کو سجانا بھی شامل ہے، جہاں کسی کے پاس چار پیسے ہوتے بناوٹ سجاوٹ، کیمرہ، تصویر، مورتی اور مجسمہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ہزار سمجھاؤ کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی خلاف ورزی ہے مگر ذرا کان دھرنے کو تیار نہیں۔ جب یورپ و امریکہ کو پیشوا بنا

لیا تو مکّہ و مدینہ کا رُخ کرنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی، یہ سیّد ہیں یہ علوی ہیں، یہ صدّیقی ہیں، یہ فاروقی ہیں، یہ عثمانی ہیں، یہ زبیری ہیں، یہ چشتی ہیں، یہ قادری ہیں، بس نام و نمود کی نسبتوں تک ہیں۔ معاشرہ میں اور گھر بار کے رہن سہن میں تو نصرانی معلوم ہوتے ہیں۔ الماری میں ایک کتّا رکھا ہوا ہے، موٹر کار میں ایک گڑیا جھول رہی ہے، سامنے کسی کا فوٹو آویزاں ہے، دفتر میں کسی کا اسٹیچو رکھا ہوا ہے، اللہ کی پناہ! کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں، جنھیں فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذرا پروا نہیں اور جن کو رحمت کے فرشتوں سے بیر ہے ان کا گھر میں آنا پسند نہیں۔

تصویر بنانے والوں کو عذاب

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ جو میری طرح خلقت پیدا کرنے لگے، اگر پیدا کرنے کا حوصلہ ہے تو ایک ذرہ یا ایک حبّہ یا ایک جَو کا دانہ پیدا کرکے دکھائیں (یعنی ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں لا سکتے، پھر صُورتیں بنانے کے شغل میں کیوں لگے ہوئے ہیں[1])

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا، جو صفتِ خلق میں اللہ تعالیٰ کے مشابہ بنتے ہیں[2] (یعنی تصویریں بناتے ہیں۔)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر مصوّر دوزخ میں ہوگا۔ جتنی صُورتیں بنائی تھیں ان میں سے ہر تصویر ایک جاندار چیز ہوگی، جس کے ذریعہ اس کے بنانے والے کو عذاب ہوگا[3] نیز ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، جس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے دیکھتی ہوگی، اور دو کان ہوں گے جن سے سُنتی ہوگی اور ایک زبان ہوگی، جس سے بولتی ہوگی، (اور) وہ کہے گی کہ تین طرح کے لوگوں پر مسلّط کی گئی ہوں۔ (۱) ہر ظالم ضدی، (۲) ہر وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا (۳) تصویر بنانے والے لوگ[4]

مسئلہ: جس چیز میں جان نہ ہو اس کی تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا دُرست ہے جیسے درخت

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۸۵ عن البخاری و مسلم ۱۲ [2] حوالہ سابقہ ۱۲

[3] حوالہ سابقہ [4] مشکوٰۃ المصابیح ص۳۸۶ عن الترمذی

وغیرہ، ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جو کفر کا شعار ہو تو بے جان کی تصویر سے بھی پرہیز لازم ہے جیسے عیسائیوں کی صلیب وغیرہ۔

کیمرہ سے تصویر لینا بھی حرام ہے

تنبیہ : بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں جس تصویرکشی کی ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے متعلق ہے، اور کیمرہ سے جو تصویر اُتاری جاتی ہے وہ چونکہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتی اس لیے وہ جائز ہے، یہ خیال غلط اور فاسد ہے، شیطان کی سجھائی ہوئی دلیل ہے۔ اصل مقصد تصویر بنانے کی حرمت ہے، خواہ کسی بھی آلہ سے بنائی جائے۔

اہلِ بدعت کا حیلہ کہ ریل، ہوائی جہاز بھی تو بدعت ہیں

(۲۲) جب اہلِ بدعت کو کسی بدعت پر تنبیہ کی جاتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہ بدعت ہے تو بجائے اس کو ترک کرنے کے اُلٹا منع کرنے والے پر اعتراض جڑ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہم نے اس پر اعتراض جڑ دیا۔ اس لیے ہمارا عمل بدعت نہیں رہا۔ مثلاً جب کسی بدعتی سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ عمل بدعت ہے تو جھٹ یوں کہنے لگتے ہیں کہ ریل بھی بدعت ہے، ہوائی جہاز بھی بدعت ہے تم ان میں کیوں سوار ہوتے ہو یہ چیزیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کہاں تھیں؟ بلکہ بعضے اپنی جہالت کا مضبوط ثبوت دیتے ہوئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ تمہارا وجود بھی بدعت ہے، تم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں یا خلافت راشدہ کے دَور میں کہاں تھے؟ بدعتیوں نے اپنی بدعت پر جمنے کے لیے یہ حیلہ خُوب تراشا ہے اور سمجھتے ہیں کہ بدعتیں جائز کرنے کے لیے ہم بہت دُور کی کوڑی لاتے ہیں۔

بقیہ : رحمۃ للعالمین

امکان میں نہ تھا کہ کوئی چیز ایجاد کرتا۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے غور اور ایجاد و تدوین سے موجودہ دُنیا نے عالی شان تمدّن کا حیرت انگیز سرمایہ حاصل کرلیا۔

بہر حال یہ تین وصف انسان کے ساتھ مخصوص ہیں جن میں انسان کے سوا کوئی جاندار اس کے ہم پلّہ نہیں

بحوالہ مکتوبات جلد دوم، مکتوب نمبر ۶ صفحہ ۱۱

مجالسِ ذکر کی شرعی حیثیت

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے قلم سے۔

سوال: ناچیز نے یہ سوال کیا تھا کہ مسند دارمی شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھتے اور ساتھ ہو کر مسجد آتے۔ ایک روز ابو موسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نکلے یا نہیں! ہم نے کہا نہیں، وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ابن مسعودؓ نکلے تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر دیکھا ہے، لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے، ابن مسعودؓ کیا دیکھا ہے؟ ابو موسیٰؓ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ کر بیٹھی ہے اور اُن کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کبرہ مأۃ تکبیرۃ فیکبرون مأۃ یعنی سو بار تکبیر کہو، وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے سو بار لا الٰہ الا اللہ کہو، وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، ابن مسعودؓ تم نے کیا کہا؟ ابو موسیٰؓ آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا بات کرتے کرتے دونوں صاحب مسجد میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابو موسیٰؓ کے بیان کے مطابق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے۔ ابن مسعودؓ نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ کی تکبیر و تہلیل و تسبیح پکارتے ہیں، ابن مسعودؓ نے فرمایا تم، بجائے تکبیر تہلیل اور تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا، افسوس ہے تم پر اے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر جلد ہی تمہاری خرابی پہنچ گئی، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے برتن بھی نہ ٹوٹے، تو شاید تم ایسے طریقہ پر ہو جو محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے... لوگوں نے معذرۃً کہا " واللہ ماا ردنا بہ الا الخیر"
خدا کی قسم اس سے ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا، ابن مسعودؓ نے فرمایا "کم من مرید الخیر کتنے خیر
کے ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچے ، (دارمی ، ص ۳۸)

اس روایت کو خدمت اقدس میں پیش کر کے یہ شبہہ ظاہر کیا گیا تھا کہ صوفیاء کا موجودہ سلسلہ ایسا ہے جس میں اس طرح کے اشغال، وظائف اور ذکر کے حلقے پائے جاتے ہیں جو اس روایت کی روشنی میں محدث کیے جا سکتے ہیں اور ان پر نکیر کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ امام العصر حضرت مولانا مدنی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اصولی بحث فرما کر جو توجیہ فرمائی ہے اس سے اپنے شبہات بحمد اللہ صاف ہو گئے۔

بندہ نجم الدین اصلاحی (رحمہ اللہ)

(حضرت کا مکمل مکتوب تبرکاً ذکر کیا جا رہا ہے۔)

جواب: "میں خیال کرتا تھا کہ مبارکپور اور سکردر کے آنے میں موٹر کار کا بارِ عظیم دونوں جگہ میں صرف میری وجہ سے آپ حضرات کو اٹھانا پڑا ورنہ ریل اور چھکڑے یا پیدل میں اس کا آدھا تہائی بھی خرچ نہ ہوتا، میں اپنے آپ کو بھی ملامت کرتا تھا کہ آپ کو بھی اور مولانا عبدالباری صاحب مبارکپوری کو بھی اس قدر زیر باری وغیرہ پر دل میں افسوس اور صدمہ ضرور ہوگا۔ اگرچہ زبان سے شرم کی وجہ سے کچھ نہ کہیں میں نے بے حد ظلم کیا ہے اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کے لیے اب یہ حضرات کبھی اس کا نام بھی نہ لیں گے مگر آپ کا والا نامہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا جبکہ آئندہ کے لیے آپ حضرات ایسا پروگرام تجویز فرما رہے ہیں اگر یہ میری طفل تسلّی کے لیے ہے تو میں شکرگزار ہوں اور اگر واقعی ہے تو آپ کو مزید غور کرنا چاہیے ، مجھ جیسے ناکارہ کی وجہ سے اس قدر زیرباری اور تکلیف برداشت کرنا بالکل غلط اور غیر صحیح ہے۔

خدا کرے کہ بابو فضل الرحمٰن صاحب اور اُن کے متعلقین بخیر و عافیت حج و زیارت سے واپس آئیں اور ان کے اعمال و اخلاق ستودہ اور موجبِ رضائے باری عزوجل ہوں ، مگر آپ کو ہمیشہ اصلاح و تبلیغ میں جناب باری عزوجل کا ارشاد فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا (الآیہ) اور اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ (الآیۃ) کا خیال رکھنا چاہیے ، اوّل الذکر حکم اس فرعون کے متعلق ہے جو کہ انا ربکم الاعلیٰ کا مدعی تھا اور ثانی الذکر فراعنہ عرب کے متعلق ہے۔

(**جواب**) **عن السوال:** عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی

حاجتکم فیحفونهم باجنحتهم الی السماء الدنیا ۔ ۔ ۔ الی ان قال فیقول انی اشهد کم انی قد غفرت لهم قال یقوم ملك من الملائکة فیهم فلان لیس منهم انما جاء لحاجة قال هم الجلساء لا یشقی جلیسهم (حدیث بخاری جلد ثانی ص ۹۴۸)

(۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الله تعالی انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم وان تقرب الیّ شبرا تقربت الیه ذراعا ۔ ۔ ۔ الحدیث (خ، م، ت، س، ماجه)

(۳) عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ بمجلسین فی مسجده فقال کلاهما علی خیر و احدهما افضل من صاحبه اما هولاء فیدعون الله و یرغبون الیه فان شاء اعطاهم و ان شاء منعهم و اما هولاء فیتعلمون الفقه او العلم و یعلمون الجاهل فهم افضل و انما بعثت معلما ثم جلس فیهم ... (دارمی)[1]

---

[1] روایات کا ترجمہ یہ ہے (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے فرشتے ہیں جو ذکر کرنے والوں کو راستہ میں تلاش کرتے رہتے ہیں پس جب ایک جماعت کو پاتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ جلدی اپنے مطلب کی طرف، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ فرشتے ان کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں آسمانِ دنیا تک ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے فرشتوں سے گواہ رہو میں نے اُن کو بخشا ۔ فرمایا حضرت نے کہ ایک فرشتہ ان میں سے کہتا ہے کہ ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص ہے جو ذکر کرنے والوں میں نہیں ہے سوا اس کے کہ کسی ضرورت سے آیا تھا اور پھر بیٹھ گیا ۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ وہ ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ ان کا ہم نشین بدبخت اور محروم نہیں رہتا ہے (بخاری)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جو میرے متعلق رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے پس اگر وہ اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں یاد کرتا ہے مجھ کو تو میں بھی اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں اور جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز قریب ہو جاتا ہوں ۔

←

یہ روایات اور ان کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایت جو آپ نے ذکر فرمائی ہے، کیا حیثیت رکھتی ہے جبکہ وہ موقوف ہے اور اس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں، اگرچہ ثقاۃ ہیں، اس لیے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا ہی کو ترجیح ہوگی۔ خصوصاً جبکہ اطلاق آیات ذکر اُن کے موید ہے، فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم الایۃ آل عمران، یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا وّسبحوہ بکرۃ واصیلا ۔ (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع اور انفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے اور اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط تفریط کا شائبہ تھا، اس بناء پر منع کیا نہ کہ نفس اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو۔ خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے اس روایت میں قرآت قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہو سکتی ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو آیات صریحہ اور احادیثِ صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کی جائے جو کہ محط انکار ہو سکتی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی۔ واللہ اعلم

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ دیوبند ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

→

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو ایسی مجلسوں پر ہوا جو مسجد نبوی میں تھیں، آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں بہتر ہیں، لیکن ایک ان میں سے نیکی میں زیادہ بہتر ہے، ایک جماعت تو عبادت کرتی ہے، دعا کرتی ہے، اللہ سے اور رغبت کرتی ہے اس کی طرف، پس اگر چاہے دے ان کو اور چاہے نہ دے، لیکن دوسری جماعت جو فقہ یا علم سیکھتی ہے اور جاہل کو سکھاتی ہے، تو یہ جماعت اس سے بہتر ہے اور میں تو معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں ۔ اس کے بعد آپ انہیں میں رونق افروز ہو گئے۔ (دارمی)

(قسط: ۳ آخری)

شخصیات

"فقیہ العراق"

حضرت حمّاد بن ابی سُلیمان کوفیؒ

اُستاذ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

۱۵۔ فضل بن زیادؒ کہتے ہیں

"سمعت ابا عبدالله وسئل ایّهما اصح حدیثا حمادٌ او ابومعشرٍ قال حمادٌ اصح حدیثا من ابی معشر"[۱]

مَیں نے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبلؒ) سے سُنا اُن سے سوال ہوا تھا کہ حدیث (کی روایت) میں حمادؒ اور ابومعشرؒ میں سے زیادہ صحیح کون ہیں؟ آپ نے فرمایا حمادؒ زیادہ صحیح ہیں۔

۱۶۔ امام شعبہؒ فرماتے ہیں۔

"سمعت الحکم یقول: و من فیهم مثل حماد یعنی اهل الکوفة"[۲]

مَیں نے حَکَمؒ بن عُتَیْبَہؒ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا کہ اہلِ کوفہ میں حمادؒ جیسا کون ہو سکتا ہے۔

۱۷۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں:

"وحماد کثیر الروایة خاصةً عن ابراهیم، و یقع فی حدیثه أفرادٌ و غرائب و هو متماسكٌ فی الحدیث لابأس به و یحدّث عن ابی وائل وغیره بحدیث صالح"[۳]

۱۔ تہذیب الکمال ج ۷، ص ۲۷۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۷۴ ۳۔ ایضاً ص ۲۷۷

حمادؒ کثیر الروایۃ ہیں، خاص کر ابراہیم نخعیؒ سے، اور اُن کی روایت میں افراد[1] وغرائب (حدیثیں) واقع ہوتی ہیں وہ متماسك فی الحدیث ہیں اور اُن سے روایت لینے میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں ہے اور وہ ابو وائل وغیرہ سے صالح حدیث نقل کرتے ہیں۔

۱۸۔ امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) اپنی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں انچاسویں[۴۹] نوع ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ھٰذا النوع من ھٰذہ العلوم معرفۃ الائمۃ الثقات المشھورین من التابعین و اتباعھم ممن یجمع حدیثھم للحفظ والمذاکرۃ والتبرك بھم و بذکرھم من الشرق الی الغرب"[2]	علوم الحدیث کی اس نوع میں تابعین اور تبع تابعین کے اُن مشاہیر ائمہ ثقات کا تذکرہ ہوگا جن کی حدیثیں اس لیے اکٹھی کی جاتی ہیں کہ انھیں زبانی یاد کیا جائے، اُن کا مذاکرہ کیا جائے اور جن سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جن کا ذکر مشرق سے لے کر مغرب تک ہے۔

اس کے بعد امام حاکمؒ نے مختلف علاقوں کے محدّثین کا تذکرہ کرکے کوفہ کے محدّثین کا بڑی تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور ان میں حضرت امام حماد بن ابی سلیمان کوفیؒ کو بھی شامل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے "معرفۃ علوم الحدیث" ص۲۴۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حاکمؒ کے نزدیک حضرت حمادؒ اُن جلیل القدر محدّثین میں سے ہیں جن کی حدیثیں زبانی یاد کرنے اور مذاکرۂ علمی کے لیے اکٹھی کی جاتی ہیں اور جن کے تذکرے سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

۱۹۔ علّامہ ذہبی شافعی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے اپنی متعدّد تصانیف میں امام حمادؒ کا بڑے شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے، چونکہ امام ذہبی کو نقدِ رجال میں استقراء تام حاصل ہے اس لیے آپ کا امام حماد رحمہ اللہ کا

---

[1] افراد، فرد کی جمع ہے، فرد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی خاص فرد یا کسی خاص مقام کے افراد کے ساتھ مخصوص و منحصر ہو، غرائب، غریب کی جمع ہے۔ غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلۂ سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو۔ [2] معرفت علوم الحدیث ص۲۴۰

بہترین الفاظ میں تذکرہ کرنا امام حمادؒ کی جلالتِ شان اور علوِّ مرتبہ کی بڑی وزنی دلیل ہے۔ امام ذہبی اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں امام حمادؒ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع فرماتے ہیں۔

"العلامۃ الامام فقیہ العراق ...... وکان احد العلماء الاذکیاء والکرام الاسخیاء لہ ثروۃٌ وحشمۃٌ وتجملٌ"[1]	علّامہ امام ملکِ عراق کے فقیہ، آپ انتہائی ذکی وذہین علماء اور محترم ومعزز سخیوں میں سے ایک تھے، آپ کو دولت وثروت، جاہ وحشمت اور حسن وخوبصورتی حاصل تھی۔

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ثقۃٌ، امامٌ، مجتھدٌ وکریمٌ جوادٌ"[2]	آپ ثقہ ہیں، امام ہیں، مجتہد ہیں، بڑے بزرگ اور سخی ہیں۔

مزید رقمطراز ہیں۔

"فافقہ اھل الکوفۃ علی وابن مسعود وافقہ اصحابھما علقمۃ وافقہ اصحابہ ابراھیم وافقہ اصحابِ ابراھیم حمادٌ وافقہ اصحاب حماد ابو حنیفۃ وافقہ اصحابہ ابو یوسف، وانتشر اصحابُ ابی	اہلِ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علی اور حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں، ان دونوں حضرات کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ علقمہ بن قیسؒ ہیں اور علقمہ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابراہیم نخعیؒ اور ابراہیمؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ حمادؒ ہیں اور حمادؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہؒ ہیں اور ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص۲۳۱

[2] الکاشف ج ۱ ص۱۸۶

یوسف فی الآفاق وافقهھم محمد، وافقه اصحاب محمد ابوعبدالله الشافعی رحمهم الله تعالیٰ"[1]

فقیہ قاضی ابو یوسفؒ ہیں، قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد سارے جہان میں پھیل گئے اُن سب میں سب سے بڑے فقیہ امام محمدؒ ہوئے اور امام محمدؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے فقیہ امام شافعیؒ ہوئے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۲۰۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے حضرت حمادؒ کو اپنی کتاب "طبقات الحفاظ" میں چوتھے طبقے کے حفاظِ حدیث میں ذکر کیا ہے جو صغار تابعین کا طبقہ ہے۔[2]

۲۱۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حمادؒ سے بخاری شریف میں ایک مقام پر تعلیقاً روایت لی ہے اور متعدد مقامات پر آپ کے اقوال استشہاداً پیش فرمائے ہیں، طلبہ حدیث کے فائدہ کے لیے حضرت حمادؒ کی روایت اور اقوال کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

"قال حمادؒ عن ابراهيمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَ اِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ"[3]

حضرت حمادؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر حمام والے تہہ بند باندھے ہوئے ہوں تو انہیں سلام کرلو، ورنہ نہ کرو۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

"و قال حمادؒ لَا بَأْسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ"[4]

حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ مردار کے بال اور پروں میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ بو مزہ نہ بدلے اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا اپنے اس مسلک کو ثابت کرنے کے لیے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۳۶ [2] طبقات الحفاظ ص ۵۵ طبع بیروت [3] بخاری ج ۱ ص ۳۰ باب قراءۃ القرآن بعد الحدیث [4] بخاری ج ۱ ص ۳۷ باب مایقع من النجاسات فی السمن والماء

امام بخاری رح نے مختلف ائمہ مجتہدین کے اقوال ذکر کیے ہیں جن میں سے حضرت حماد رح بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر مردار کے بال وپر پانی وغیرہ میں گر گئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا پانی پاک رہے گا۔ اس سے امام بخاری رح کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مردار کے بال وپر مردار کی طرح ناپاک ہوتے ہیں لیکن امام حماد رح کے نزدیک جب ان کے پانی میں گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو معلوم ہوا کہ پانی میں نجاست گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک کہ اس کا رنگ بو مزہ نہ بدلے، یاد رہے کہ یہ امام بخاری رح کا موقف ہے، احناف کا یہ موقف نہیں ہے اُن کے ہاں اگر پانی تھوڑا ہو تو نجاست کے گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے چاہے اس کا رنگ، بو، مزہ بدلے یا نہ بدلے، ایک اور مقام پر حضرت امام بخاری رح حضرت حماد رح کا قول استشہاداً پیش فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قال حمادٌ : اِذَا اَقَرَّ مَرَّةً عِنْدَ الْحَاكِمِ رُجِمَ يَعْنِى الزَّانِي"[1]	حضرت حماد رح فرماتے ہیں کہ زانی جب حاکم کے سامنے ایک مرتبہ اقرار کرلے تو اُسے سنگسار کردیا جائے گا

حضرت امام مسلم رح نے حضرت حماد رح سے مقروناً روایت لی ہے۔ حضرت امام ترمذی رح، امام ابوداؤد رح امام نسائی رح اور امام ابن ماجہ رح وغیرہ نے آپ سے کثیر تعداد میں روایتیں لی ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں حضرت حماد رح کی بڑی تعداد میں روایات پائی جاتی ہیں۔

حضرت حماد رح پر بعض محدّثین کی جرح کا جواب

قارئین کرام آپ نے مندرجہ بالا اقوال سے اندازہ کرلیا ہوگا کہ حضرت حماد رح کی بڑے بڑے ائمۂ جرح تعدیل نے توثیق کی ہے۔ لہٰذا آپ کی شخصیت اور آپ کی روایت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے بالخصوص جبکہ آپ سے روایت کرنے والے امامِ اعظم ابوحنیفہ رح، امام شعبہ بن حجاج رح اور امام سفیان ثوری رح جیسے کبار محدّثین ہوں، تاہم بعض محدّثین نے آپ پر جرحیں بھی کی ہیں۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ جرحیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کی وجہ سے امام حماد رح کی شخصیت اور ان کی روایت میں کسی قسم کا ضعف آتا ہو،

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳ باب الشھادۃ تکون عند الحاکم

کیونکہ یہ جرحیں ایسی ہیں جو صحیحین کے بہت سے راویوں میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن بایں ہمہ نہ ان راویوں کو ضعیف گردانا جاتا ہے اور نہ ہی ان کی روایت ضعیف قرار دی جاتی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمادؒ کی شخصیّت پر کی جانے والی جرحوں کو ذکر کرکے ان کا جواب دے دیا جائے تاکہ حضرت حمادؒ کا تذکرہ کسی جہت سے تشنہ نہ رہے اور کوئی حرماں نصیب، امام حمادؒ کا مخالف اُن کی شخصیّت کے بارے میں کسی سادہ لوح کو گمراہ نہ کرسکے، لیجیے حضرت حمادؒ پر کی جانے والی جرحیں اور ان کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں

"حماد بن ابی سلیمان (بخ م ع) مسلم الاشعری مولاھم ابو اسماعیل الکوفی فقیہ صدوق، لہ اوھام من الخامسۃ رمی بالارجاء مات سنۃ عشرین او قبلہا"[1]

(تقریب التہذیب ص۸۲)

حضرت حمادؒ: ابو سلیمان جن کا اصل نام مسلم ہے اُن کے صاحبزادے ہیں اشعری کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اشعریین کے آزاد کردہ غلام ہیں اُن کی کنیت ابو اسماعیل ہے، کوفہ کے رہنے والے ہیں، فقیہ ہیں صدوق ہیں، اُن کے کچھ اوہام بھی ہیں، پانچویں درجے کے راوی ہیں ان پر اِرجاء کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ ۱۲۰ھ یا اس سے قبل وفات ہوئی ہے۔

حافظ صاحبؒ کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حمادؒ پر دو جرحیں کی گئی ہیں پہلی یہ کہ ان کے کچھ اوہام ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں وہم ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ ان کے متعلق ارجاء کا الزام عائد کیا گیا ہے، پیچھے امام نسائیؒ کا قول گزر چکا ہے انھوں نے بھی حضرت حمادؒ کو ثقہ قرار دینے کے باوجود مرجئ لکھا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ کہتے ہیں۔

"سمعت ابی وذکر حماد بن ابی سلیمان فقال: ھو صدوق لا

میں نے اپنے والد (ابو حاتم) کو حضرت حمادؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا وہ صدوق ہیں، لیکن ان کی حدیث

۱؎ تقریب التہذیب ص۸۲

یحتج بحدیثه ، و هو	سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا ، وہ
مستقیم فی الفقه ، فاذا جاء الآثار	فقہ میں تو مستقیم ہیں لیکن جب حدیث
شَوَّش"[1]	آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

ابو حاتم رح کے اس قول سے معلوم ہُوا کہ امام حماد رح پر تیسری جرح یہ ہے کہ وہ احتجاج کے قابل نہیں ہیں اور چوتھی یہ کہ انھیں صرف فقہ سے شغف ہے ، حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔

اب ان چاروں جرحوں کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی اور دوسری جرح کا جواب یہ ہے کہ یہ معمولی قسم کی مبہم جرحیں ہیں جن سے راوی کا ضعف اور اس کی روایت کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا ، کیونکہ ایسا کون شخص ہے جو کبھی بھولا نہ ہو یا اس سے غلطی اور خطا سرزد نہ ہُوئی ہو یا اس کو وہم نہ ہُوا ہو ، اسی لیے محدثین نے یہ طے قرار دیا ہے کہ راوی کو وہم ہو کر اس سے غلطی کا سرزد ہونا یا اس کے حافظے میں کچھ قصور ہونا یا اس کا کسی مبتدع فرقے سے متہم ہونا اس کی روایت کے مقبول ہونے میں کسی طرح مُخِل نہیں ہو سکتا اور یہ عیوب بہت ہی خفیف بلکہ کالعدم شمار کیے گئے ہیں اور ایسے لوگوں کی روایت بلا ریب مقبول ہے ، چنانچہ علامہ نَوَوِی شافعی رح (م ۶۷۶ھ) شرح مسلم کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"قال ابو علی الغسانی	ابو علی غسانی[2] رح فرماتے ہیں کہ روایت کرنے
الجیانی : الناقلون سبعُ	والوں کے سات طبقے ہیں۔ تین مقبول ہیں ،
طبقاتٍ ثلاثٌ مقبولةٌ	تین متروک ہیں اور ساتواں مختلف فیہ ہے۔
و ثلاثٌ متروكةٌ والسابعةُ	(یعنی بعض نے کہا ہے کہ ان کی حدیث
مختلفٌ فیها فالاُولیٰ	مقبول ہے ، بعض نے کہا ہے کہ مردود ہے)
ائمة الحدیث و حفاظه	تین مقبول میں سے پہلا طبقہ ائمہ حدیث
و هم الحجة علی من	وحفاظ کا ہے اور وہ اپنے مخالف روایت
خالفهم و یقبل انفرادهم	کرنے والوں پر حجت ہیں اور ان کی اکیلی

---

[1] تہذیب الکمال ج ۷ ص ۲۷۶ [2] آپ علامہ ابن عبد البر رح کے جلیل القدر شاگرد ہیں ۴۹۸ھ میں آپ کی وفات ہُوئی ہے۔

الثانیۃ دونھم فی الحفظ	روایتیں قبول کی جاتی ہیں۔
والضبط لَحِقَھُمْ فی بعض	دوسرا طبقہ وہ ہے جو حفظ وضبط
روایتھم وھمٌ و غلطٌ	میں ذرا کم ہے اور اُن کی بعض روایتوں میں
والغالب علیٰ حدیثھم	وہم اور غلطی لاحق ہوئی ہے مگر غالب ان کی
الصحۃ و یصحح ما وھموا	حدیث پر صحّت ہے اور جس روایت میں
فیہ من روایۃ الاُولیٰ	اُنھوں نے وہم کیا ہے اس کی صحّت پہلے
و ھم لاحقون بھم، الثالثہ	طبقے سے کی جاتی ہے اور اس طبقے کے
جنحت الی مذھب من الاھواء	لوگ پہلے طبقے کے راویوں سے مُلحق ہیں۔
غیر غالیۃ ولا داعیۃ	تیسرا طبقہ اُن راویوں کا ہے جو کسی مبتدع
وصح حدیثھا وثبت	فرقے کے مذہب سے تعلّق رکھتے ہیں مگر
صدقھا و قل و ھمھا	غالی اور بدعت کے داعی نہیں ہیں، ان کی
فھذہ الطبقات احتمل	حدیث صحّت کو پہنچی اور صدق ثابت ہوا
اھل الحدیث الروایۃ عنھم	اور وہم کم ہوا۔ پس ان تین طبقوں سے
وعلی ھذہ الطبقات یدور	محدّثین نے روایت کی ہے اور انہی طبقوں
نقل الحدیث الخ[1]	پر محدّثین کی روایت دائر ہے۔

علّامہ نووی رحمہ اللہ کے اس نقل کردہ قول کی روشنی میں حضرت حمادؒ پر کی جانے والی دونوں جرحیں کالعدم ہوجاتی ہیں۔ ورنہ تو پھر صحیحین کے بہت سے راویوں کو (جن کے بارے میں محدّثین نے کہا ہے کہ اُنھیں وہم ہوتا ہے اور یہ مرجیٔ ہیں) ضعیف قرار دے کر اُن کی روایتوں سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔

حضرت حمادؒ پر مرجۂ ہونے کا جو اعتراض کیا گیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے اس کی کچھ وضاحت کردی جائے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

محدّثین کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اعمال۔ ایمان کا جزء ہیں یا نہیں، بعض محدّثین

---

[1] نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷

اس کے قائل ہیں کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں۔ اور فقہاء محدّثین کا مسلک یہ ہے کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں ہیں پھر وہ محدّثین جو اعمال کو ایمان کا جزء مانتے ہیں ان کے نزدیک ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے اور فقہاء محدّثین ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں۔ اب اس کے بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جو شخص تارکِ اعمال ہے وہ مومن ہے یا نہیں محدّثین اور فقہاء احناف اس پر متفق ہیں کہ تارکِ اعمال مومن ہے آگے اللہ کی مرضی ہے کہ اسے عذاب دیں یا معاف فرما دیں۔

خوارج کہتے ہیں کہ تارکِ اعمال کافر ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ نہ کافر ہے نہ مومن، مرجئہ کہتے ہیں کہ اوّل تو اعمال ایمان کا جزء نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی دوسرے مؤمن کو ترکِ اعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ گمراہ فرقہ ہے، چونکہ اس فرقے نے اعمال کے جزءِ ایمان نہ ہونے اور ایمان میں کمی بیشی نہ ہونیکا قول کیا ہے اور یہی احناف کا بھی مسلک ہے اس لیے بہت سے محدّثین کو دھوکہ لگا اور انھوں نے امام حماد اور اُن کے شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کو مرجئہ میں سے سمجھ لیا، حالانکہ فقہاء احناف اور مرجئہ میں ترکِ عمل کے بارے میں اختلاف ہے، احناف محدّثین کے مذہب کے مطابق ترکِ عمل کو مُضِر سمجھتے ہیں اور مرجئہ مُضِر نہیں سمجھتے۔ اگر ان محدثین کی بات مان لی جائے تو پھر اس کی توجیہ میں یوں کہا جاتے گا کہ مرجئہ دو قسم کے ہیں۔ (۱) مرجئہ مرحومہ (جنھیں مرجئہ اہلِ سُنّت بھی کہا جاتا ہے) (۲) مرجئہ ملعونہ جو گمراہ فرقہ ہے۔ امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ مرجئہ مرحومہ و مرجئہ اہلِ سُنّت میں سے ہیں نہ کہ مرجئہ ملعونہ میں سے، راقم الحروف نے جو تفصیل بیان کی ہے یہ اس کی خانہ زاد نہیں ہے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ علّامہ ابوالشکور سالمی رحمہ اللہ (م　　ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"ثم المرجئة على نوعين مرجئة مرحومة وهم اصحاب رسول الله صلّى الله عليه وسلّم، و مرجئة ملعونة وهم الذين يقولون بان المعصية لاتُضِرُّ والعاصى لا يعاقب، و روى عن عثمان بن ابى ليلى انه كتب	مرجئہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مرجئہ مرحومہ اور وہ صحابۂ کرام ہیں، (۲) مرجئہ ملعونہ، یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معصیت مضر نہیں یعنی گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور گنہگار کو کوئی سزا نہیں ملے گی، عثمان بن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو لکھا کہ کیا آپ مرجئہ ہیں؟

چنانچہ علامہ عبدالکریم شہرستانی (م ۵۴۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"وله سببٌ آخر وهو انه كان يخالف القدرية والمعتزلة الذين ظهروا فى الصدر الاوّل والمعتزلة كانوا يلقبون كل من خالفهم فى القدر مرجئا وكذالك الوعيدية من الخوارج فلا يبعد ان اللقب انما لزمه من فريقى المعتزلة والخوارج والله اعلم"[1]

یعنی امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کے لفظ سے پکارے جانے کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ امام صاحبؒ ان قدریہ اور معتزلہ کی جو صدرِ اول میں پیدا ہوئے تھے مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ لوگ ہر اس شخص کو جو مسئلہ قدر میں اُن کی مخالفت کرتا تھا۔ مرجئہ کے لقب سے پکارتے تھے، ایسا ہی وعیدیہ فرقہ جو خوارج میں سے ہے اپنے مخالف کو مرجئہ کہتا تھا پس کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ لقب معتزلہ اور خوارج کے دونوں فرقوں نے امام صاحب پر چسپاں کیا ہو۔

تقریبًا یہی بات علامہ آمدیؒ نے کہی ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکّی شافعیؒ (م ۹۷۳ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"قال الآمدى لعل عذر من عَدَّهٗ من مرجئة اهل السنة ان المعتزلة كانوا فى الصدر الاوّل يُلَقّبون من خالفهم فى القدر مرجئا"[2]

علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں کہ جنھوں نے امام ابوحنیفہؒ کو مرجئہ اہلِ سُنّت میں سے شمار کیا ہے شاید ان کا عذر یہ ہوگا کہ چونکہ معتزلہ لوگ صدرِ اوّل میں اس شخص کو جو اُن کی مسئلہ قدر میں مخالفت کرتا تھا مرجئ کہا کرتے تھے، (اس لیے اُنھوں نے بھی اُن کی دیکھا دیکھی امام صاحبؒ کو مرجئ کہہ دیا ہے۔)

---

[1] الملل والنحل ج ۱ ص ۱۸۹ علی هامش الفصل فی الملل والاهواء والنحل

[2] الخیرات الحسان ص ۶۷

الی ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ و قال انتم مرجیۃ؟ فاجابہ و قال المرجیۃ علیٰ ضربین مرجیۃ ملعونۃ و انا بریٔ منھم و مرجیۃ مرحومۃ و ھم اصحاب رسول اللہ وکتب فیہ بان الانبیاء قالوا کذالک اَلَا ترٰی ان عیسٰی قال: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ "[1]

آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: مرجئہ دو قسم کے ہیں۔ مرجئہ ملعونہ میں ان سے بری و بیزار ہوں، دوسرے مرجئہ مرحومہ اور یہ صحابۂ کرام ہیں، آپ نے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ انبیاء بھی اسی کے قائل تھے، کیا دیکھتے نہیں کہ عیسٰی علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے خدا اگر تو انھیں عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے کہ یہ تیرے بندے اور غلام ہیں اور اگر تو انھیں بخشنا چاہے تو بخش سکتا ہے کہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔

علّامہ سالمیؒ کی اس تحریر سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا تعلّق مرجئہ مرحومہ سے ہے جنھیں مرجئہ اہلِ سُنّت کہا جاتا ہے اور اس سے تعلّق ہونا کوئی عیب کی بات نہیں کہ یہ تو انبیاء کرام و صحابۂ عظام کی راہ ہے، مرجئہ ملعونہ سے ان کا کوئی تعلّق نہیں اگر اِن سے تعلّق ہوتا تو یقینًا اعتراض کیا جا سکتا تھا، علّامہ سالمیؒ کی تحریر میں چونکہ خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے وضاحت آ چکی ہے کہ ان کا تعلّق مرجئہ مرحومہ، و مرجئہ اہلِ سُنّت سے ہے اس کے بعد بھی اُن پر اعتراض کرنا سورج پر تھوکنے کے مترادف ہوگا۔

بعض عُلماء نے امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ کو مرجئہ کے لقب سے مُلقّب کیے جانے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ صدرِ اول کے معتزلہ کی مسئلۂ قدر میں مخالفت کیا کرتے تھے۔ اور معتزلہ اپنے مخالفین کو مرجئہ کے لقب سے پکارتے تھے اس لیے وہ ان دونوں بزرگوں کو بھی اسی لقب سے پکارنے لگے، یہی حال خارجیوں کے ایک فرقے وعیدیہ کا تھا، وہ بھی اپنے مخالفین کو مرجئہ کہتے تھے۔

---

[1] التمہید فی بیان التوحید لابی الشکور سالمی ص ۸۴

علّامہ شہرستانیؒ اور علّامہ آمدیؒ کے ان اقوال سے دو باتیں معلوم ہوئیں اوّل یہ کہ امام (حمادؒ اور ان کے شاگرد امام) ابوحنیفہؒ کو جنھوں نے مرجئہ میں شمار کیا ہے۔ اِس سے ان کی مُراد مرجئہ اہلِ سُنّت ہیں نہ کہ مرجئہ ملعونہ جو کہ گمراہ فرقہ ہے، دوم یہ کہ ان کو مرجئہ کہنے کی وجہ ــــ یہ ہے کہ وہ صدرِ اوّل میں معتزلہ اور خوارج کی مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ و خوارج اپنے مخالفین کو مرجئہ کہتے تھے۔ بعینہٖ ایسے ہی جیسا کہ اس زمانے میں اہلِ بدعت اپنے مخالفین کو وہابی کہتے ہیں۔

علّامہ شہرستانی اور علّامہ آمدی کی بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ زمانۂ حال میں فقہاء احناف کے مرجئہ ہونے کے پرچارک بھی وہی لوگ ہیں جو غالی قسم کے خارجی ہیں۔

علّامہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت معمرؒ فرماتے ہیں مَیں نے حمادؒ سے کہا کہ تم تو اپنے اصحاب میں سردار اور مقتدا و پیشوا کا درجہ رکھتے تھے یہ کیا ہُوا کہ تم ان کی مخالفت کر کے تابع بن گئے۔ حضرت حمادؒ نے کہا کہ مَیں حق بات میں تابع بن کر رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ باطل میں سردار بن کر رہوں (علّامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں) مَیں کہتا ہوں کہ حضرت معمرؒ کا اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت حمادؒ فقہاء کے ارجاء کو اختیار کر کے مرجیٔ بن گئے تھے، اور فقہاء کا ارجاء فقط یہ ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کو ایمان میں سے شمار نہیں کرتے (یعنی ایمان کا جزء نہیں مانتے) اور کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے یقین کرنے کا نام ہے، اس صورت میں (محدّثین کے درمیان) نزاع صرف	"قال معمر: قلت لحمادٍ: كنتَ رأسا، و كنتَ اماما فى اصحابك فخالفتهم فصرت تابعًا قال: انى ان اكون تابعًا فى الحق خيرٌ من ان اكونَ رأسا فى الباطل قلت: يشير معمر الى انه تحول مرجئا ارجاء الفقهاء و هو انّهم لا يعدون الصلوٰة والزكاة من الايمان و يقولون: الايمان اقرار باللسان، و يقين فى القلب، و النزاع علىٰ هذا لفظىٌ ان

شاء الله ، و انما غُلُوُّ الارجاء من قال : لا يضر مع التوحيد ترك الفرائض ، نسال الله العافية »[1]

لفظی رہ جاتا ہے، انشاء اللہ، اور ارجاء میں غُلُوّ تو وہ لوگ کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ توحید کے ہوتے ہوئے فرائض کے چھوڑنے سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طالب ہیں۔

علاّمہ ذہبیؒ " میزان الاعتدال" میں (صحیحین) کے ایک راوی حضرت مسعر بن کدامؒ کے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ولا عبرة بقول السليمانى: كان من المرجئة مسعر، و حماد بن ابی سلیمان والنعمان ، وعمرو بن مرة وعبدالعزیز ابن ابی رَوّاد ، و ابو معاوية ، وعمرو بن ذَرّ ... وسرد جماعةً " قلت : الارجاء مذهبٌ لعدةٍ من جلّة العلماء لا ينبغی التحامل علیٰ قائله "[2]

سلیمانی کے اس قول کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے کہ مسعَر بن کدام، حماد بن ابی سلیمان، نعمان (بن ثابت) عمرو بن مرّۃ، عبدالعزیز ابن ابی رَوّادُ، ابو معاویہ، عمرو بن ذرّ وغیرہ مرجئہ میں سے ہیں (علاّمہ ذہبیؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اِرجاء تو بہت سے جلیل القدر علماء کا مذہب ہے، لہٰذا اگر کوئی اِرجاء کا قائل ہو تو اس پر (اعتراض کرکے) ظلم و زیادتی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں

علاّمہ شہرستانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" رجال المرجئة كما نقل الحسن بن محمد بن على ابن ابی طالب و سعيد بن جبير وطلق بن حبيب و عمرو بن مرة

مرجئہ لوگ جیسا کہ نقل کیا گیا ہے حسن[1] بن محمد بن علی بن ابی طالب، سعید[2] بن جبیر، طلق[3] بن حبیب، عمرو[4] بن مرّہ، محارب[5] بن دثار، مقاتل[6] بن سلیمان، ذرّ[7]، عمرو[8] بن ذر، حماد بن ابی

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص۲۳۳

[2] میزان الاعتدال ج ۴ ص۹۹

ومحارب بن دثار و مقاتل بن سليمان و ذر وعمرو بن ذر و حماد بن ابی سلیمان وابو حنیفة و ابو یوسف و محمد بن الحسن و قدید بن جعفر وھولاء كلهم ائمة الحديث لم يكفروا اصحاب الكبائر بالكبيرة ولم يحكموا بتخليدهم في النار خلافاً للخوارج والقدرية[1]

سلیمان، ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف، امام محمد بن حسن اور قدید بن جعفر ہیں۔ یہ سب لوگ ائمۂ حدیث ہیں جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے اور نہ اس کے مُخَلَّدٌ فِي النَّار ہونے کے قائل ہیں اور یہ لوگ خوارج و قدریہ کے مخالف ہیں

ان تمام تحریرات کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ حضرت حمادؒ کو جو مرجئہ کہا گیا ہے اس سے مُراد مرجئہ اہلِ سُنّت ہیں جن کا مسلک و موقف یہ ہے کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں ہے، ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا اس کا معاملہ خُدا کے سُپرد ہے چاہے معاف کر دے چاہے عذاب دے، یہ موقف صرف حضرت حمادؒ ہی کا نہیں ہے بلکہ علّامہ ذہبیؒ اور علاّمہ شہرستانیؒ کی تصریح کے مطابق بڑے بڑے جلیل القدر محدّثین و فقہاء کا بھی ہے اور ان بیسیوں راویوں کا بھی ہے جن سے بخاری و مسلم نے روایتیں لی ہیں، اگر مرجئہ اہلِ سُنّت میں سے ہونا کوئی عیب ہے اور اس وجہ سے وہ راوی ضعیف ہو جاتا ہے تو پھر یہ اعتراض بخاری و مسلم کے بہت سے راویوں پر بھی وارد ہوگا اور اس وجہ سے ان کی روایات بھی ضعیف قرار دی جائیں گی۔ اعاذنا اللہ منہ

رہی امام حمادؒ پر کی جانے والی تیسری اور چوتھی جرح (کہ یہ احتجاج کے قابل نہیں اور حدیث آتی ہے تو پریشان ہو جاتے ہیں۔) تو اُن کا جواب یہ ہے کہ یہ جرحیں صرف ابو حاتمؒ نے کی ہیں جو ائمۂ احناف کے بارے میں انتہائی متشددانہ رویّہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اگر ان کی جرحوں کا اعتبار کیا جائے تو پھر امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی ناقابلِ احتجاج سمجھ کر اُن سے روایت لینی چھوڑ دی تھی۔ ایسی صورت میں اگر یہ امام حمادؒ کو ناقابلِ احتجاج قرار دیں تو کون سی بڑی بات ہے اس قطع نظر ابو حاتمؒ کی بات درایۃً بھی درست نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ جب حضرت حمادؒ کو کبار محدّثین، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام عجلیؒ، امام نسائیؒ، امام ذہبیؒ ثقہ

---

[1] کتاب الملل والنحل ج ۱ ص ۱۹۳

اور ابن عدیؒ متماسك فى الحديث اور لا بأس بہٖ امام شعبہؒ اور خود ابوحاتمؒ صدوق قرار دے رہے ہیں تو پھر حضرت حمادؒ احتجاج کے قابل کیوں نہیں ؟

دوسرے یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بخاری و مسلم میں بہت سے ایسے راوی ہیں جن پر حضرت حمادؒ سے دس گنا زیادہ جرح کی گئی ہے لیکن وہ پھر بھی قابلِ احتجاج ہیں اور ان کی روایتیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں ایسی صورت میں حضرت حمادؒ نے کیا خطا کی ہے کہ وہ قابلِ احتجاج نہیں ہیں ؟

رہا ابوحاتمؒ کا یہ کہنا کہ "حمادؒ فقہ میں تو مستقیم ہیں لیکن حدیث آتی ہے تو پریشان ہوجاتے ہیں" اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو ابوحاتمؒ کی یہ بات بھی قطعًا دُرست معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ امام حمادؒ کو ابن عدیؒ کثیر الروایۃ لکھتے ہیں، ابوالشیخ انھیں طبقات المحدثین میں اور علّامہ سیوطیؒ انھیں طبقات الحفاظ اور علّامہ شہرستانیؒ انھیں ائمۂ حدیث میں ذکر کرتے ہیں۔ امام حاکمؒ نے تو انھیں اُن محدثین میں شمار کیا ہے جن کی حدیثیں یاد کرنے کے لیے اکٹھی کی جاتی ہیں اور جن کے تذکرے سے برکت حاصل کی جاتی ہے، سوچنے کا مقام ہے کہ جو شخص کثیر الروایت حافظ الحدیث اور ائمۂ حدیث میں سے ہو وہ حدیث کے سامنے آتے ہی کیسے پریشان ہوسکتا ہے ؟ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام حمادؒ سے دو ہزار احادیث روایت کرتے تھے امام اعظمؒ جو امام حمادؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں دو ہزار احادیث اُن سے روایت کرتے ہیں وہ تو کہیں نہیں کہتے کہ امام حمادؒ حدیث آتی تھی تو پریشان ہوجاتے تھے، ابوحاتمؒ جنھوں نے نہ امام حمادؒ کا زمانہ پایا نہ اُن کو دیکھا معلوم نہیں انھیں کیسے پتہ چل گیا کہ امام حمادؒ حدیث آتی تھی تو پریشان ہوجاتے تھے؟

امام ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حافظ عبداللہ بن وہب دینوریؒ کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

> "حافظ ابوعلی نیشاپوریؒ فرماتے ہیں: میں نے عبداللہ بن وہب دینوریؒ سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں امام ابوزرعہؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ ایک خراسانی ان کے سامنے موضوع حدیثیں بیان کر رہا ہے اور ابوزرعہؒ روایات کو غلط بتلا رہے ہیں، وہ خراسانی اِن کی باتوں پر ہنس رہا ہے کہ واہ کیا خوب، جو روایت ان کو یاد نہیں یہ اُسے غلط بتلا رہے ہیں، ابن وہبؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس خراسانی سے پوچھا کہ تمہارا مذہب

کیا ہے۔ وہ بولا کہ حنفی، مَیں نے کہا کہ بتاؤ امام ابوحنیفہؒ کی بواسطہ حمادؒ کیا روایات ہیں وہ چپ ہوگیا، پھر میں نے حافظ ابوزرعہؒ سے دریافت کیا "یا ابا زرعة ما تحفظ لابی حنیفة عن حماد؟" اے ابوزرعہ تمہیں حمادؒ کی سند سے امام ابوحنیفہؒ کی کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ اس پر حافظ ابوزرعہؒ نے حدیثوں کا سلسلہ شروع کر دیا" الخ [1]

غور فرمایئے کیا اس واقعہ کی موجودگی میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام حمادؒ حدیث آتی تھی تو پریشان ہو جاتے تھے؟

پھر یہ دیکھیے کہ کبار محدثین امام حمادؒ کو فقیہ تحریر فرماتے ہیں اور امام ذہبیؒ آپ کو مجتہد اور علّامہ لکھتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کوئی شخص بھی فقیہ، مجتہد اور علّامہ حدیث دانی کے بغیر نہیں بن سکتا، حیرت کا مقام ہے کہ جس امام کو کبار محدثین فقیہ، مجتہد اور علّامہ قرار دیں اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ حدیث کے سامنے آتے ہی پریشان ہو جاتا ہے، اس لیے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ امام حمادؒ پر کی جانے والی جرحیں تشدّد پسندی پر مبنی ہیں، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اللہم سب پر رحم فرمائے اور سب کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

یہی وجہ ہے کہ علّامہ ذہبیؒ "میزان الاعتدال" میں امام حمادؒ کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں

"ولو لا ذکر ابن عدی له فی کامله لما اوردته" [2]	اگر ابن عدی نے کامل میں ان کا تذکرہ نہ کیا ہوتا تو میں بھی اس کتاب میں ان کا ذکر نہ کرتا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص۵۴
[2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۹۵

مضامینِ علمیہ

قسط : ۱۲

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ایمن احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اُصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر قرآن" اور اُصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ؏

ہُوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں اُنہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلّل ابطال اور احقاقِ حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذر بائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے۔ وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چنانچہ مدینہ طیّبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور جا کر عرض کیا کہ امیرالمومنین قبل اس کے کہ یہ اُمّت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کا شکار ہو آپ اس کا علاج کیجیے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پُوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ مَیں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا وہاں مَیں نے دیکھا کہ شام کے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہلِ عراق نے نہیں سُنی ہوتی اور اہلِ عراق عبداللہ بن مسعود رضی عنہ کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہلِ شام نے نہیں سُنی ہوتی اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے۔ اُنھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ

تازیانہ

سلیمہ بنت حامد بن محمد

سُلا کر ہم ضمیر اپنا جگانا بھول جاتے ہیں
جو وعدہ کر لیا رب سے نبھانا بھول جاتے ہیں

دکھاتے ہیں ہم اپنے نفس کو راہیں زمانے کی
جو راہِ حق ہے اس رہ پر چلانا بھول جاتے ہیں

علومِ دُنیوی کا سیکھنا تو یاد رہتا ہے
مگر قرآن کا پڑھنا پڑھانا بھول جاتے ہیں

کہو ان سے فرائض کا تو آج اور کل پہ ٹالیں گے
ستم یہ ہے نمازِ پنجگانہ بھول جاتے ہیں

وُہ ناحق قتل کرتے ہیں اُنہیں غم نہیں ہوتا
کہ ہونگے ایک دن ہم بھی روانہ بھول جاتے ہیں

زنا، چوری ڈکیتی، سودخوری اور بے رحمی
حساب ان ساری چیزوں کا چُکانا بھول جاتے ہیں

بہت مستی میں بیٹھے ہیں یہ اپنے وقت کے حاکم
پڑے کا وقت کا اک تازیانہ بھول جاتے ہیں

بہت چُپکے سے اک دن جان ہم سے روٹھ جائے گی
جنہیں ہو یاد، وہ ہنسنا ہنسانا بھول جاتے ہیں

عمل سب کافروں جیسے نبیؐ کے اُمتی ہو کر
بصد حیرت کہ لوگ اپنا گھرانہ بھول جاتے ہیں

خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلّم نے اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق پڑھایا اور دوسرے معلم نے دوسری قرأت کے مطابق اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأۃ کو غلط قرار دیتے۔ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا

قال علی رضی اللہ عنہ لا تقولوا فی عثمان رضی اللہ عنہ الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا قال ما تقولون فی ہذہ القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیر من قراءتك وہذا یکاد ان یکون کفرا۔ قلنا فما تری! قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقۃ ولا اختلاف قلنا نعم ما رأیتَ (کتاب المصاحف لابن ابی داؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو کیونکہ اللہ کی قسم اُنھوں نے مصاحف کے معاملے میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں کیا۔ انھوں نے ہم سے مشورہ کرتے ہوئے پُوچھا کہ ان قرأتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے یہ اطلاعات ملتی رہی ہیں کہ بعض لوگ دوسروں سے کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے، حالانکہ یہ ایسی بات ہے جو کفر کے قریب تک پہنچتی ہے اس پر ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ اُنھوں نے فرمایا میری رائے یہ ہے ہم سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ پھر کوئی افتراق و اختلاف باقی نہ رہے۔ ہم سب نے کہا آپ نے بڑی اچھی رائے قائم کی ہے۔

نیز ابن رشتہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اختلفوا فی القرآن علی عہد عثمان حتّٰی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذلك

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا۔ یہاں تک کہ بچّے اور معلمین لڑنے لگے۔ یہ اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں

عثمان بن عفان فقال	نے فرمایا کہ تم میرے قریب رہتے ہوئے صحیح قرأتوں
عندی تکذبون و تلحنون	کی تکذیب کرتے ہو اور اس میں غلطیاں کرتے ہو تو
فیہ فمن نائی عنی کان	جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور
اشد تکذیبا و اکثر لحنایا	غلطیاں کرتے ہوں گے پس اے اصحاب محمد ﷺ جمع ہو
اصحاب محمد اجتمعوافاکتبوا	جاؤ اور لوگوں کے لیے ایک ایسا نسخہ تیار کرو جس کی
للناس اماما۔	اقتداء کی جائے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد قرآن کے کسی حرف (اور صحیح قرأت) کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ اُنھیں تو اس بات کا افسوس تھا کہ بعض لوگ صحیح حروف کا انکار کر رہے ہیں اور بعض لوگ غلط طریقہ سے تلاوت پر اصرار کر رہے ہیں اس لیے وہ ایک معیاری نسخہ تیار کرنا چاہتے تھے جو پوری دنیائے اسلام کے لیے یکساں ہو۔ اس مقصد کے لیے

فارسل عثمان الی حفصة	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا
ان ارسلی الینا بالصحف	کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکر رضؓ کے
ننسخها فی المصاحف ثم	کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس
نردها الیكِ فارسلت بها	بھیج دیجیے ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو
حفصة الی عثمان فامر زید	واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہ رضؓ نے وہ صحیفے حضرت
بن ثابت و عبداللہ بن الزبیر	عثمان رضؓ کے پاس بھیج دیے۔ حضرت عثمان نے حضرت زید
وسعید بن العاص و عبداللہ	بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن
بن الحارث بن هشام فنسخوها	العاص اور حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ
فی المصاحف و قال عثمان	عنہم کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو مصاحف میں منتقل
للرهط القرشیین الثلاث	کریں اور انھوں نے ایسا کیا اور ان میں جو تین قریشی
اذا اختلفتم انتم و زید بن	تھے (یعنی حضرت زید کے علاوہ) ان سے کہا کہ جب
ثابت فی شئی من القرآن فاکتبوه	تمہارا اور زید کا قرآن کے کسی حصّہ میں اختلاف
بلسان قریش فانما نزل	ہو تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا اس

بلسانهم ففعلوا حتى اذا نسخوا الصحف فى المصاحف ردّ عثمان الصحف الى حفصة و ارسل الى حفصة وارسل الى كل افق بمصحف مما نسخوا وامر بماسواه من القرآن فى كل صحيفة او مصحف ان يحرق۔	لیے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہُوا ہے۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور جب صحیفوں کو مصاحف میں لکھ لیا گیا تو حضرت عثمان نے صحیفے حضرت حفصہ کو واپس کردیے اور ہرایک جانب ان کا تحریر شدہ مصحف بھجوادیا، اور اس کے علاوہ اور کسی صحیفے یا مصحف میں لکھے ہُوئے قرآن کو جلانے کا حکم دیا۔

اس پُورے واقعہ کو دیکھ لیں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرأتوں کے اختلاف کو ختم کیا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسے نسخے تیّار کروائے جو قرأتوں کے لیے معیار بن سکیں اور تمام متواتر قراءات رسم مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں متواتر قراءات کے ایک سے زیادہ ہونے کی بڑی دلیل خود رسم مصاحف عثمانی سے ملتی ہے، کیونکہ سورہ توبہ کی آیت واعد لهم جنات تجرى تحتها الانهار کو تجرى من تحتها بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی ایک قرأت میں مِنْ کا لفظ ہے اور دوسری میں نہیں ہے یہ دونوں قرأتیں رسم مصاحف کے مطابق ہیں، البتہ زیادت والی مصحفِ مکّی کی رسم کے موافق ہے جبکہ مِن سے خالی قرأت دیگر مصاحف کے موافق ہے اور ان مصاحف کو نقل کرنے والوں نے یہی کیا تھا کہ اگر کوئی نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے منقول اختلاف ایسا ہو جو ایک مصحف میں سما نہیں سکتا تو اس کو ایک مصحف میں ایک طرح لکھا اور دوسرے مصحف میں دوسری طرح لکھا۔

سبعہ احرف سے کیا مراد ہے ؟

باقی رہی یہ بات کہ سبعہ احرف (سات حروفوں) سے کیا مُراد ہے ؟

اگرچہ اس بارے میں کئی اقوال نقل کیے گئے ہیں، لیکن ہم تتمیم فائدہ کے لیے راجح قول ذکر کرتے ہیں جس کے مطابق مصاحف عثمانی کی رسم خط میں یہ سبعۃ احرف موجود و باقی ہیں۔

سات حروف سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قرأتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں، لیکن ان قرأتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام میں منحصر ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) اسماء کا اختلاف جس میں افراد تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے اس کی مثال تمت كلمة ربك ہے جو ایک قرأت میں تمت كلمات ربك بھی پڑھا گیا ہے۔

(۲) افعال کا اختلاف کہ کسی قرأت میں صیغۂ ماضی ہو کسی میں مضارع اور کسی میں امر۔ اس کی مثال رَبَّنَا بَاعِدْ بین اسفارنا ہے کہ ایک قرأت میں رَبُّنَا بَعَّدَ بین اسفارنا بھی آیا ہے۔

(۳) وجوہ اعراب کا اختلاف جس میں اعراب یا حرکات مختلف قرأتوں میں مختلف ہوں اس کی مثال ولا یُضَارَّ کَاتِبٌ اور لا یُضَارُّ کاتب اور ذُوالعرشِ المجیدُ اور ذوالعرش المجیدِ۔

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قرأت میں ہے وما خلق الذکر والانثی اور دوسری میں صرف والذکر والانثی ہے اس میں ماخلق کا لفظ نہیں ہے۔

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قرأت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور جاءت سکرۃ الحق بالموت۔

(۶) بدلیت کا اختلاف کہ ایک قرأت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قرأت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ مثلاً ننشزھا اور ننشرھا اور طلح وطلع۔

(۷) لہجوں کا اختلاف جس میں تفخیم ترقیق امالہ قصر مد ھمز اخفاء اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات شامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے اور دوسری میں بغیر امالہ کے ہے۔

ان سات وجوہ کی تفصیل میں کچھ فرق کے ساتھ ... سبعۃ احرف (سات حروف) کی اس تشریح کو امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، امام ابوالفضل رازی، محقق ابن جزری اور قاضی باقلانی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔

حروف سبعہ کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے مراد سات مشہور قاریوں کی قرأتیں ہیں۔ امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ قراءات سبعہ (کے متواتر ہونے کے) کے قائل ہیں اور یہ امین احسن اصلاحی جیسے چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی پوری امّت مسلمہ ہے۔ وہ حروف سبعہ سے یہی قراءات سبعہ مراد لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ "اس قدر اختلاف

کی موجودگی میں سبعہ احرف سے سات قرآتیں مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟
پھر یہ بات بھی یاد رکھیے کہ بعض علماء سات کے عدد کو متعیّن سات کے معنی میں نہیں بلکہ کثرت کے مفہوم میں لیتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک قراءات دراصل ہیں۔"

ابن احسن اصلاحی صاحب کی یہ بات انتہائی غلط ہے کیونکہ اگرچہ بعض لوگوں نے ایسا قول کیا ہے لیکن علمائے اُمّت نے خود اس قول کو غلط کہا ہے اور اصلاحی صاحب نے یہ وضاحت بھی نہیں کی کہ وہ کون لوگ ہیں جو سبعہ احرف سے سات قرآتیں مراد لینے پر اصرار کر رہے ہیں۔

جن بعض لوگوں نے یہ قول کہا ہے ان کو ان سات قراءتوں کی شہرت سے مغالطہ ہوا تھا، حالانکہ قرآن کریم کی متواتر قراءات ان سات قراءتوں پر منحصر نہیں ہیں بلکہ ان سے زائد ہیں۔ یہ سات قراءات تو محض اس لیے مشہور ہوگئیں کہ علامہ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے ایک کتاب میں ان سات مشہور قراء کی قراءتیں جمع کردی تھیں۔ نہ ان کا یہ مقصد تھا کہ قراءتیں سات ہیں منحصر ہیں اور نہ وہ حروف سبعہ کی تشریح ان قراءتوں سے کرنا چاہتے تھے۔

قاری فتح محمد رحمہ اللہ عنایات رحمانی کے مقدمہ میں ایک پوری فصل جہلاء کے اس وہم کو دُور کرنے کے لیے لائے ہیں کہ سات احرف سے مراد سات قراءات ہیں اور اس ضمن میں ابو محمدؒ مکی، دانی، محقق ابن جزری، عبدالرحمٰن بن احمد رازی، ابوالعباس بن یُوسف کورشی موصلی اور امام اسماعیل ابن ابراھیم بن محمد القراب رحمہم اللہ کی تصریحات نقل کی ہیں۔ محقق ابن جزری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا کہ۔

"بعض بے علم لوگ خیال کرتے ہیں کہ قراءات صحیحہ صرف وہی ہیں جو قراء سبعہ سے منقول ہیں بلکہ بعض جاہل یہ یقین رکھتے ہیں کہ صحیح قراءات صرف وہی ہیں جو تیسیر و شاطبیہ میں ہیں اور حدیث میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ ان لوگوں کو یہ شبہ اس لیے ہوگیا کہ اُنھوں نے پہلے تو انزل علی سبعۃ احرف والی حدیث سُنی پھر قراء سبعہ کی قراءات دیکھیں۔ اسی لیے متقدمین میں سے اکثر امام ابن مجاہد کے قراء سبعہ ہی کی قرآت کے بیان میں بس کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور ان کو غلطی پر بتاتے تھے۔" (عنایات رحمانی ص ۳۹ مقدمہ)

قسط: ۱

علاقائی حقوق سے متعلق احکام

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

چند سال پیشتر سندھ سے ایک صاحب نے علاقائی حقوق سے متعلق ایک سوالنامہ بھیجا تھا۔ وہ سوالنامہ تو اتفاق سے گم ہوگیا، البتہ اس کا جو جواب لکھا گیا تھا وہ مکمل موجود ہے۔ جواب ترتیب کی کچھ ترمیم اور کچھ حک و اضافہ کے ساتھ استفادہ عام کے لیے پیش ہے۔

علاقائی حقوق سے متعلق بحث وقتاً فوقتاً اُٹھائی جاتی رہتی ہے اور افسوس ہے کہ بعض اہلِ علم بھی اس کی سحر کاری کا شکار ہوئے۔ یہ موضوع تو خاصا وسیع ہے، لیکن جو اُصولی باتیں تحریر میں آئی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہم سب کے لیے نافع بنادیں۔

البتہ یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ دینِ اسلام کے کسی ایک شعبہ کو ہم کسی ایسے نظام میں FIT کرکے دیکھنے کی کوشش کریں گے جو کہ سراسر غیر اسلامی بلکہ ظالمانہ ہو تو ہمیں اس شعبہ سے متعلق بہت سے اشکالات پیش آئیں گے۔ اگر ہم ایک خاک آلود مٹی کی دیوار میں ایک صاف شفاف ٹائل لگائیں گے تو اس ٹائل کا حُسن خاک میں چھُپ جائے گا لہٰذا ظالمانہ اور غیر اسلامی پس منظر میں اس شعبہ کو نہ دیکھیں بلکہ منصفانہ اور اسلامی مجموعی نظام کے پس منظر میں اس شعبہ کو دیکھیں تو انشاء اللہ کوئی اشکال پیش نہ آئے گا۔ فقط

الجواب باسم ملهم الصواب حامدا و مصليا

جو لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دوسرے علاقے میں جاتے ہیں اور وہاں کے ذرائع معاش پر قبضہ کرتے

ہیں تو ان کے بارے میں مندرجہ ذیل چند صورتیں ہیں۔

پہلی صورت علاقے والوں کی رضامندی سے عارضی طور پر سکونت اور معیشت اختیار کی ہو جیسا کہ بیرون ملک مثلاً " مشرق وسطیٰ میں کام کرنے والوں کا اور اندرون ملک پٹھانوں اور کشمیریوں کا معاملہ ہے کہ یہ لوگ کسب معاش کے لیے پورے ملک میں پھیل جاتے ہیں۔ نجی کاروبار بھی کرتے ہیں اور ملازمتیں بھی لیتے ہیں۔ خواہ وہ نجی ہوں یا سرکاری ہوں اور تنخواہیں اپنے گھروں کو بھیجتے ہیں۔

ایسی ہی ایک صورت تقسیم ہند سے پیشتر خود سندھ میں بھی تھی۔ وہ یہ کہ سندھ میں ملازمتوں میں مسلمانوں کے کوٹہ کو پورا کرنے کے لیے پنجاب وغیرہ سے مسلمانوں کو بلالیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ بچا کر اپنے گھروں کو بھیجتے ہوں گے۔

ایسے ہی افرادی قوت کی کمی کے وقت اگر دوسرے علاقے کے لوگوں کو عارضی طور پر زمینیں کاشت کے لیے دے دی جائیں تو بھی اسی پہلی صورت کے تحت داخل ہے۔

پہلی صورت کا حکم جب تک ان عارضی ساکنین کے ساتھ معاہدہ ہے۔ ان کی رہائش اور کسبِ معاش سے کوئی تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ اپنے کسب سے حاصل شدہ سرمایہ بھی اپنے وطن بھیجنے میں شرعًا کوئی قباحت نہیں ہے۔ مدت معاہدہ ختم ہونے پر یہ ہو سکتا ہے کہ تجدید معاہدہ نہ کیا جائے، لیکن ان کے جان و مال کو حرمت حاصل ہو گی جس کی ہتک جائز نہیں۔ مزید ان کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت مقتضی ہو تو ان کو واپس ان کے علاقے میں بھیج دیا جائے۔

دوسری صورت علاقے والوں کی رضامندی سے وہاں مستقل سکونت اختیار کی ہو اور اس علاقے کو اپنا وطن بنا لیا ہو۔ تقسیم ہند کے وقت آنے والے مہاجرین کی یہی صورت ہے۔ بعض عوام یا بعض لیڈر یہ کہیں کہ ہماری طرف سے کبھی رضامندی نہیں تھی تو اُن کا یہ کہنا ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ ایک ملک کا مذہبی بنیادوں پر یعنی دو قومی نظریے کی بنیاد پر مطالبہ کیا گیا اور علاقوں نے اس ملک میں شمولیت اختیار کی۔ انتقال مکانی دونوں ہی خطوں سے ناگزیر تھی۔ لہٰذا مہاجرین کو آخر ملک میں شامل علاقوں ہی میں سے کسی میں بسنا تھا اور تقسیم کے وقت اس کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اُٹھی۔

دوسری صورت کا حکم قدیم و جدید باشندوں کے درمیان حقوق میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوگا۔

اصل دارو مدار صلاحیتوں پر ہوگا۔ قومی اور نسلی اور لسانی بنیادوں پر کسی کی تحقیر جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

سندھ اور دیگر علاقوں میں جو سرکاری زمینیں مہاجرین کو فروخت کی گئیں یا الاٹ کی گئیں تو محض مہاجر ہونے کی بنا پر کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔

تیسری صورت کسی حکومت نے علاقے والوں کے مفادات کے خلاف بلا کسی مجبوری کے دوسرے علاقے والوں کو اپنی ناعاقبت اندیشی سے وہاں زمینیں یا ملازمتیں مہیا کر دی ہوں جیسا کہ سندھ کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ سندھ کے حالات کی قدرے تفصیل بیان کر کے پھر مسئلہ تحریر کیا جائے۔

عبدالوہاب چاچڑ صاحب لکھتے ہیں۔

"سندھ اسمبلی میں ۱۹۴۶ء میں دو بل پاس کیے۔

(۱) تین سو ایکڑ سے کم زمین کا مالک اپنی زمین گروی نہیں رکھ سکتا جب تک گورنمنٹ سے اس کی منظوری نہ لے۔

(۲) آج سے قبل جتنی بھی زمینیں گروی کی وجہ سے فروخت ہوئی ہیں یا ابھی تک گروی رکھی ہوئی ہیں، وہ سب اپنے اصل مالکوں کو واپس ہو جائیں گی اور جتنا عرصہ وہ گروی میں رہی ہیں اس عرصہ کی زرعی پیداوار کا حساب گروی رکھنے والے سے لے کر اصل مالک کو دیا جائے گا، اگر وہ حساب قرض سے زائد بنتا ہو۔

سندھ میں مسلمان غالب اکثریت میں تھے اس لیے آسانی سے یہ بل پاس ہوگیا۔

یہ دونوں بل پاس ہوکر منظوری کے لیے گورنر جنرل ہند کے پاس گئے۔ دفتری کارروائی کے دوران ہی پاکستان بن گیا۔ اب یہ دونوں بل گورنر جنرل مسٹر محمد علی جناح کی خدمت میں پیش ہوئے، جناح صاحب نے پہلے بل کو تو منظور کر لیا، لیکن دوسرے بل کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ زمینیں پناہ گیروں کو دی جائیں گی، حالانکہ ہندوؤں کی متروکہ جائیداد اور زمینوں میں فرق تھا۔ زمینیں ہندوؤں کی اپنی نہیں تھیں۔ اُن کے اصلی مالک مقامی مسلمان تھے۔

محمود مرزا صاحب آج کا سندھ میں لکھتے ہیں۔

۱۹۲۵ء تک صورتِ حال یہ تھی کہ حکومت کے شائع شدہ اعداد و شمار کے

مطابق سندھ میں چھوٹے مسلم کاشتکار ایک لاکھ ستائیس ہزار چونتیس تھے جن کے پاس ۲۵ ایکڑ سے کم زمین تھی، لیکن ۱۹۴۶ء تک آتے آتے سندھ کی ۶۰ فیصد زرعی زمین مسلم کاشتکاروں یا زمینداروں سے نکل کر ہندو خریداروں یا قرض خواہوں کے ہاتھ میں آچکی تھی۔

پنجاب میں ایسا قانون بہت پہلے نافذ ہو چکا تھا جس کے تحت کسی کاشتکار کی اراضی کوئی غیر کاشتکار نہیں خرید سکتا تھا... لیکن آخرکار جون ۱۹۴۷ء میں سندھ اسمبلی نے یہ بل منظور کر لیا جس کے تحت ہندو ساہوکاروں کے پاس رہن شدہ مسلمانوں کی ساری اراضی انہیں واپس مل جاتی تھی۔ اس بل پر گورنر کے دستخط ہونے باقی تھے کہ پاکستان بن گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد گورنر نے بوجوہ اس بل پر دستخط نہ کیے اور اس زمین کا بہت سا حصہ ہندوؤں کی متروکہ املاک کے طور پر بعد میں مہاجرین کو الاٹ کر دیا گیا۔ اس موضوع پر تمام سندھی اخبارات نے ۱۹۵۸ء تک مسلسل اداراتی نوٹ لکھے۔ اس کارروائی میں سندھ کے خود کاشتکار طبقے کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا (ص ۱۷)

البتہ یہ بات مدِنظر رہے کہ ان متروکہ اراضی کا کچھ حصہ مقامی جاگیرداروں نے مختلف طریقوں سے حاصل بھی کر لیا تھا۔

Evacuee land were those which the departing non-Muslims left behind and the state now claimed their ownership. Some of these lands had been appropriated already by local landlords (p.153 Under development & Agrarian Culture in Pakistan - Mahmood Hasan Khan)

ترجمہ: متروکہ اراضی وہ تھیں جن کو انتقال مکانی کرنے والے غیر مسلم چھوڑ گئے تھے اور جن کی ملکیت کی دعویدار ریاست تھی ان میں سے کچھ مقامی زمیندار پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔

اس کا مزید بیان یوں ہے۔

The departure of the British administrators and Hindu - money

lenders made the exercise of power more convenient and visible. In the confusion which followed the partitioning of British India many land owners gained additional lands. this they did in several ways. Some of them purchased it from fleeing Hindus at Nominal prices. Others managed to get more land by their influence on revenue officials. Still others held de facto possession of what was the state evacuee property. (p.139)

ترجمہ: برطانوی حکمرانوں اور ہندو ساہوکاروں کی روانگی سے اختیارات کا استعمال زیادہ آسان ہوگیا تھا۔ یہ برطانوی ہند کی تقسیم کے بعد جو ایک پریشانی کا دَور آیا اس میں بہت سے جاگیرداروں نے مختلف طریقوں سے مزید زمینیں حاصل کرلیں۔ بعض نے ان کو بھاگنے والے ہندوؤں سے واجبی قیمت پر خرید لیں۔ کچھ نے افسران محصول پر اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ سے حاصل کیں اور بعض نے بالفعل ریاست کی متروکہ اراضی پر زبردستی قبضہ کرلیا۔

مندرجہ بالا آخری حوالے سے یہ بات بتلانا مقصود تھی کہ مقامی جاگیرداروں نے بھی وہ زمینیں کسی طریقے سے حاصل کر کے مظلوم طبقے پر اور ظلم کیا۔

مذکورہ بالا بیانات سے حاصل ہونے والی صورتحال میں شرعی حکم

عبدالوہاب چاچڑ، محمود مرزا اور محمود حسن خان سب کے بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ ہندوؤں کے قبضے میں اراضی کی دو صورتیں تھیں ایک جو اُنھوں نے خریدیں دوسری وہ جو اُن کے پاس گروی تھیں لہٰذا:

(۱) جو زمینیں ہندوؤں کی خریدی ہوئی تھیں وہ اُن کے ترک وطن کی وجہ سے سرکاری زمینیں بنیں اور ایسی زمینوں میں حکومت کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے کسی کے ہاتھ فروخت کرے چاہے کرائے پر یا بٹائی پر دے یا کسی کو بطور جاگیر دے۔ معاملاتی اعتبار سے چونکہ ایسی زمینوں سے اُن کے پچھلے مسلمان مالکوں کا حق منقطع ہو چکا تھا۔ لہٰذا حکومت پابند نہیں تھی کہ وہ زمین ان سابقہ مالکان پر ضرور تقسیم کرتی۔ پھر دوسری طرف ایسے مہاجرین آرہے تھے جو اپنی جائیداد چھوڑ کر آرہے تھے اور ان کی آبادکاری ایک بڑا مسئلہ تھی تو اگر حکومت نے

زمینیں مہاجرین میں تقسیم کیں تو اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۲) البتہ وہ زمینیں جو ہندوؤں کے پاس گروی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ چونکہ امانت تھیں، للذا وہ ان کے اصل مالکان کو دی جانی ضروری تھیں۔ وہ بلا رضا مندی و بلا معاوضہ لے کر کسی اور کو خواہ وہ کوئی بھی ہو دینا غصب ہے جس کے عدم جواز کے بارے میں امام ابُو یُوسف رحمہ اللہ کا قول آگے آ رہا ہے۔ اگر ان کے مالکان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا یا وہ راضی نہیں ہُوئے تو معاملہ کے اعتبار سے اُن کو راضی کرنا یا اتنا معاوضہ جس پر وہ راضی ہو جائیں ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں تقادم زمانہ کی کوئی قید نہیں ہے۔

سندھ کے بارے میں مزید بیانات ملاحظہ ہوں

عبدالوہاب چاچڑ صاحب لکھتے ہیں۔

"کوٹری بیراج مکمل ہُوا۔ گدو بیراج مکمّل ہونے والا تھا۔ سندھ کی بنجر زمین شاداب آباد ہونے کا وقت قریب آرہا تھا۔ سندھ کے وسائل اور عہدے پنجاب کو لقمہ تر نظر آرہے تھے ان چیزوں کو نگلنے کی راہ میں صوبائی حد بندی مانع تھی۔ اس لیے پنجابی سیاستدانوں نے مشرقی پاکستان کی اکثریت کے توڑ کا بہانہ بنا کر مغربی پاکستان کے صوبوں کی صوبائی حیثیت ختم کر کے سب کو لاہور کے ماتحت کر دیا... اب سندھ کی ہر چیز کا فیصلہ لاہور میں ہونے لگا... سندھ کے ہاری جو بیراج کی تکمیل کے منتظر آس لگائے بیٹھے تھے کہ زمینیں ان کو ملیں گی اور زمینداروں کے چنگل سے نکلیں گے اور آزاد اور خوشحال زندگی بسر کریں گے، مگر اُن کی آرزُو آرزُو ہی رہی۔ سندھ کی زمینیں فوجیوں اور سول ملازمین میں بانٹی گئیں۔ نیلام عام کے ذریعے بقایا زمینیں پنجابی چودھریوں کو دی گئیں۔ غریب سندھی ان چودھریوں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا جن کی تجوریاں بنک کے پیسے سے بھری ہوئی تھیں۔"

محمود مرزا آج کا سندھ میں لکھتے ہیں

"سندھ کے تین بیراجوں میں فوجی ملازموں کے لیے کئی لاکھ ایکڑ اراضی مختص کی گئی۔ گدو بیراج میں سول ملازمین کے لیے بھی ہزارہا ایکڑ اراضی رکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مشینی کاشت اور نیلام کی سکیموں کے تحت یہاں لاکھوں کی تعداد میں غیر سندھی آباد کار آئے۔ دوسرے صوبوں نے بند باندھنے یا دوسرے مقاصد کے لیے جن کاشتکاروں سے اراضی قانونا حاصل کی انھیں بھی سندھ

میں کچھ اراضی الاٹ ہوئی۔

ون یونٹ کے دوران بیراجوں کی زمین جس طرح تقسیم ہوئی اس سے لاکھوں سندھی ہاریوں کی دل شکنی اور حق تلفی ہوئی۔ ہاری پارٹی کی کوششوں سے ایک لاکھ سے زیادہ سندھی ہاریوں نے زمین کی الاٹمنٹ کے لیے درخواستیں دیں۔ ہاری پارٹی کے لیڈروں قاضی فیض محمد وغیرہ نے بھوک ہڑتال تک کی، لیکن حکومت نے لاکھوں ایکڑ اراضی عام نیلام کے ذریعے فروخت کر دی۔ اس معاملے میں سندھی اخبارات نے سینکڑوں اداراتی نوٹ لکھے۔ ان میں سے دو تین نوٹ درج ذیل ہیں:

کوٹڑی بیراج کی زمین غیر سندھیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کی افواہ کا حوالے دیتے ہوتے مولانا ضمیر محمد نظامانی روزنامہ مہران ۲۶ مئی ۱۹۵۷ء میں لکھتے ہیں۔

"اس افواہ کی وجہ سے سندھ کے لوگوں میں جو اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔ وہ افواہ کی صحت کے نتیجہ میں کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اس کے بعد مرکزی یا صوباتی حکومت سندھی عوام سے کسی تعاون اور دوستی کی اُمید نہیں رکھ سکتی اس لیے کہ یہ پیٹ کا سوال ہے جس پر ہم ہر ایک سے لڑنے کے لیے تیار ہیں ... کوٹڑی بیراج کی زمین پر سب سے پہلا حق سندھ کے بے زمین ہاریوں کا ہے جس میں سے بیشتر کے پاس کاشت کے لیے بھی زمین نہیں ہے کیونکہ بھارت منتقل ہونے والے ہندوؤں کی جن زمینوں پر وہ کاشت کرتے تھے۔ نصف سے بھی زیادہ مہاجروں کو الاٹ کی گئی ہیں ... الخ

اپریل ۱۹۶۳ء میں مسٹر علی گوہر کھوڑو نے مغربی پاکستان اسمبلی میں گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کی پالیسی کے خلاف تحریکِ التوا پیش کی تحریک التوا تو مسترد ہوگئی، لیکن بعض سندھی ممبران نے اس بائیکاٹ میں حصّہ نہیں لیا جو بطور احتجاج کیا گیا۔ اس پر سندھ میں سخت ردِّعمل ہوا۔ مولانا ضمیر محمّد نظامانی نے اس موضوع پر نوائے سندھ حیدرآباد کے شمارے مؤرخہ ۱۴ اپریل ۱۹۶۴ء میں اداراتی نوٹ لکھا۔

'۱۲ اپریل کا دن مغربی پاکستان اسمبلی کی تاریخ میں ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے جب مسٹر علی گوہر کھوڑو کی گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کے خلاف التوا کی تحریک کو اسپیکر نے مسترد کر دیا ... ہم حکومت کے ہاتھوں خرید ہو جانے کے بعد انھیں طعنہ نہ دیتے، اگر یہ نہ دیکھتے کہ اُنھوں نے بھی گدو بیراج کی زمینوں کی نیلام کے خلاف آواز بلند کی ہے ... الخ'

(جاری ہے)

حاصلِ مُطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

محبّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

عبّاسی حکمران محمّد مہدیؒ کو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات سے اس قدر عقیدت و محبّت تھی کہ وہ آپ کی جانب کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا۔ خطیب بغدادی نے مہدی کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اظہار ہوتا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"حسن ابو سیف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہدی نے دربارِ عام کیا تو ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر لایا اور کہا کہ : امیرالمؤمنین یہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نعل مبارک ہے۔ آپ کی خدمت میں ہدیہ کے لیے لایا ہوں، مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا، اور اس شخص کو دس ہزار درہم عطا کیے، اس کے جانے کے بعد مہدی نے حاضرین سے کہا : میں جانتا ہوں کہ اس جوتے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہ بھی نہیں پڑی پہننا تو دُور کی بات ہے، لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے لے لیا کہ وہ شخص کہتا پھرتا کہ میں امیرالمؤمنین کے پاس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا جوتا لے گیا اور انھوں نے واپس کر دیا، اس صورت میں اس کی تصدیق کرنے والے زیادہ ہوتے اور مدافعت کرنے والے کم"[1]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۹۴

خشیتِ الٰہی

خلیفہ مہدی شاہی جاہ و جلال کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے، چنانچہ حسن الوصیف کا بیان ہے کہ: مہدی کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ ہوا کا اتنا سخت طوفان آیا کہ معلوم ہوتا تھا حشر برپا ہوجائے گا، میں امیر المؤمنین کی تلاش میں نکلا، دیکھا تو وہ رُخساروں کو فرشِ خاک پر رکھے دُعا میں مصروف ہیں۔

"خدایا اُمّتِ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی حفاظت فرما، خدایا ہمارے دُشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے، خُدایا اگر تُو نے میرے گناہوں کی پاداش میں عالَم کی گرفت کی ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔"

حسن الوصیف کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہوا کا طوفان تھم گیا اور وہ حالت جاتی رہی۔[1]

احترامِ علم

علامہ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

بغوی نے "جعدیات" میں حمدان اصفہانی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مَیں ایک مرتبہ قاضی شریکؒ (م ۱۹۷ھ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کے پاس خلیفہ مہدی کا بیٹا آیا اور ٹیک لگاکر اُن سے حدیث پُوچھی آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اس نے دوبارہ پُوچھا آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہیں کی، لڑکے نے کہا: آپ خلفاء کی اولاد کی توہین کرتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ میں

---

[1] تاریخ طبری ج ۶ ص ۳۹۶

علم کی ناقدری نہیں کرتا، اس کا احترام کرتا ہوں شہزادہ سمجھ دار تھا سمجھ گیا اور گھٹنے ٹیک کر حدیث دریافت کی، قاضی صاحبؒ نے فرمایا "ھٰکذا یطلب العلم" ہاں اس طرح علم حاصل کیا جاتا ہے۔[1]

اُستاذ کی محبّت

اُستاذ کا ادب و احترام تو اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب ہی کرتے ہیں، لیکن اُستاذ سے حد درجہ عقیدت اور محبّت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ راقم الحروف نے دورانِ مطالعہ اُستاذ سے محبّت وعقیدت کا ایسا واقعہ پڑھا کہ عقل حیران رہ گئی آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

"عصرِ جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندوستان کے مشہور عالم اور جاندیدہ استاذ ملا نظام الدین لکھنوئیؒ (م ۱۱۶۱ھ) صاحب درسِ نظامی کی خبرِ وفات سن کر اُن کے ایک شاگرد سید کمال الدین عظیم آبادیؒ کا صدمہ سے انتقال ہوگیا اور دوسرے شاگرد سید ظریف عظیم آبادی کی رونے روتے آنکھیں خراب ہوگئیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ (استاذ کی وفات کی) خبر غلط تھی۔"[2]

مُسلمان مقدمہ ہار گئے اسلام مقدمہ جیت گیا

مولانا علی میاں دامت برکاتہم رقمطراز ہیں

" انگریزی عمل داری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے قصبے کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندو مُسلمانوں کا تنازعہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کا مَعبَد (عبادت گاہ) ہے یا مسلمانوں کی مسجد ہے انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مُسلمانوں سے تخلیہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی

---

[1] تاریخ الخلفاء عربی ص ۲۷۵		[2] انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۶۳

صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے ؟
اُنھوں نے کہا کہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں، ہندوؤں سے پوچھا تو
اُنھوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے۔ معاملہ قومی ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان
بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے، شاید وہ اس موقع پر بھی سچی ہی بات کہیں
یہ بزرگ مفتی الٰہی بخش صاحبؒ (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ خلیفہ حضرت
سیّد احمد شہیدؒ) کے خاندان کے ایک بزرگ تھے (ان کا اسم گرامی محمود بخش تھا
مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے والد تھے۔ ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا) ناظم مجسٹریٹ
نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا، اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے
قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ میرا منہ
نہ دیکھیں، لیکن تشریف لے آئیں، معاملہ اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے
بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا، وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے
معاملہ اُن کی خدمت میں عرض کیا گیا اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارہ میں
کیا علم ہے ؟ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں اُن کے چہرے پر ہیں اور کان
ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے جن پر اس اہم معاملہ کا فیصلہ ہونا ہے، ان بزرگ
نے فرمایا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے مُسلمانوں کا اس سے کوئی
تعلق نہیں، عدالت کا فیصلہ ہو گیا، جگہ ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے
لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی۔ صداقت اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرہ نے
چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور دل و دماغ جیت لیے
بہت سے ہندو اسی روز اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے"۔[1]

---

[1] انسانی دُنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۵۹

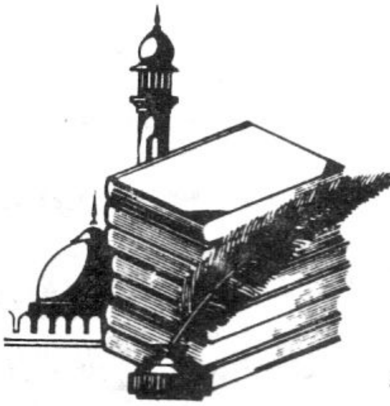

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : معالم العرفان فی دروس القرآن (جلد نمبر ۱۷)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتّب : الحاج لعل دین - ایم۔ اے

صفحات : ۵۸۴

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ۱۴۰/-

تفسیرِ قرآن ایک انتہائی نازک اور مشکل ترین کام ہے جس کے لیے تفسیر سے متعلّق تمام علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ اُس علم وہبی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے جو خاص لوگوں ہی کو عطا ہوتا ہے، علماءِ اہلِ سُنّت کو اللہ تعالیٰ نے عِلم وعمل تقویٰ و طہارت، خوف وخشیت اور انابت الی اللہ کے جملہ اوصاف عطا فرما کر ان سے تفسیرِ قرآن کی جو بے مثال خدمت لی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) سے لے کر اس وقت تک کے سَوا سو سالہ دَور میں عُلماء دیوبند نے چھوٹی بڑی اس قدر تفسیریں لکھی ہیں کہ اُن کے شمار کے لیے بھی مستقل کتاب کی ضرورت ہے یہ امر مسلکِ حق سے تعلّق رکھنے والوں کے لیے جہاں باعث فخر ہے، وہیں باعثِ تشکّر و امتنان بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان میں ایسی ہستیاں پیدا کیں جنھوں نے حفاظتِ دین متین کے ساتھ ساتھ خدمتِ قرآن کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ بحمدہٖ تعالیٰ یہ مُبارک سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اور انشاء اللہ جاری و ساری رہیگا۔ اسی بابرکت سلسلے کی ایک کڑی "تفسیر معالم العرفان" ہے جس کی سترہویں جلد ہمارے پیشِ نظر ہے۔

اس جلد میں درج ذیل گیارہ سورتوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ (۱) سورۃ الواقعہ (۲) سورۃ الحدید (۳) سورۃ المجادلہ (۴) سورۃ الحشر (۵) سورۃ الممتحنہ (۶) سورۃ الصف (۷) سورۃ الجمعۃ (۸) سورۃ المنٰفقون (۹) سورۃ التغابن (۱۰) سورۃ الطلاق (۱۱) سورۃ التحریم

"معالم العرفان" کی یہ جلد اس لحاظ سے اہمیّت کی حامل ہے کہ اس کی طباعت سے تفسیر "معالم العرفان" کی تکمیل ہوگئی ہے کیونکہ پارہ نمبر ۲۹ و نمبر ۳۰ اور سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پہلے لکھی جاچکی تھی اس طرح اس تفسیر کی کل بیس جلدیں ہوئیں اور تفسیر قرآن کا یہ سلسلہ جو ۱۹۸۰ء میں شروع ہوا ۱۹۹۶ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

راقم الحروف نے "معالم العرفان" کی متعدّد جلدوں پر تبصرہ میں یہ بات لکھی تھی کہ

"اس عظیم تفسیر میں قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والوں کے لیے ہر قسم کے معارف و مسائل رموز و نکات اور قدیم و جدید معلومات موجود ہیں۔ نیز اس میں مستشرقین کے اعتراضات کا دفعیہ بھی ہے اور اسلامی اقدار کا دفاع بھی، انداز انتہائی دلکش، آسان اور دل میں اُترنے والا ہے، حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم نے اس تفسیر میں موجودہ زمانہ کے حالات کا قدیم دور کے حالات کے ساتھ موازنہ کر کے اُمّتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے اعتدال کی راہ پر چلتے ہوئے تمام مسائل بیان کیے ہیں اور جادۂ مستقیم سے کہیں بھی سرِمو انحراف نہیں کیا۔ اسلاف کا جو اندازِ تفسیر ہے ٹھیک ٹھیک اسی انداز پر تفسیر کی ہے۔ ہمارے اس پُرفتن و پُرآشوب دور میں یہ ایسی چیز ہے جو صرف نادر الوجود ہی نہیں بلکہ جدّت پسند اور ماحول سے متاثّر قرآن فہمی کا دعوٰی کرنے والوں کے لیے دُشوار گزار بھی ہے۔

اس تفسیر کی ایک بڑی خُوبی یہ بھی ہے کہ یہ نہ انتہائی مختصر ہے کہ قاری پڑھ کر سیر نہ ہو اور نہ ہی اتنی طول وطویل ہے کہ پڑھنے والا اُلجھ کر رہ جائے اور اُکتانے لگے۔ بلکہ خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ کا صحیح مصداق ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صوفی صاحب مدظلہ العالی کی یہ تفسیر خدمتِ قرآن کی ایک عظیم کاوش

اور دَورِ حاضر کی سب سے ضخیم جامع اور بہترین تفسیر ہے جو موجودہ دَور کے تقاضوں کو بڑی حد تک پُورا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر تفسیروں کے مقابلہ میں باوجود گراں قیمت ہونے کے اس کی مانگ ملک و بیرون ملک بڑھتی جا رہی ہے اور علماء طلباء اور عوام سب میں یکساں مقبول ہو رہی ہے۔

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم اس تفسیر کی تکمیل پر بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں اور آپ کی یہ تفسیر مسلکِ حق سے تعلق رکھنے والے تمام احباب کے لیے باعثِ فخر ہے، اللہ تعالیٰ حضرت صوفی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور آپ کا سایۂ عاطفت سلامت رکھ کر اُمّتِ مسلمہ کو آپ سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

راقم الحروف نے دورانِ مطالعہ دو چار باتیں محسوس کی ہیں ممکن ہے دیگر حضرات کے خیال میں بھی وہ آئی ہوں اگر ان کی طرف توجہ کی جائے تو اُمّید ہے کہ اُن سے اس تفسیر کی افادیت میں اضافہ ہوگا۔

(۱) پارہ نمبر ۲۹ - و ۳۰ پر پارہ ۲۹ و ۳۰ لکھنے کے بجائے اب تفسیر کی تمام جلدوں کو ایک سے لے کر بیس تک مسلسل نمبر لگا کر شائع کیا جائے تاکہ قاری کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار نہ ہو۔

(۲) تفسیر کے شروع میں حوالجات کی تخریج کا اہتمام کیا گیا تھا جو بعد میں باقی نہیں رہا، اگر تمام تفسیر میں اس کا اہتمام کر لیا جائے تو اس سے یہ تفسیر دیگر تفاسیر سے ممتاز ہو جائے گی۔

(۳) اگر تفسیر میں تاریخی مقامات کے نقشے دے دیے جائیں تو موجودہ دَور میں ان کا سمجھنا نہایت آسان ہو جائے گا، اور اس طرح یہ تفسیر انتہائی جدید انداز کی تفسیر ہو جائے گی۔

○

نام کتاب : خطبات سواتی (جلد سوم)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتّب : الحاج لعل دین ایم اے

صفحات : ۳۸۴

سائز : ۲۰×۲۶ / ۸

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ۹۵/-

انوارِ مدینہ میں خطبات سواتی کی جلد اوّل و دوم پر تبصرہ شائع ہوچکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب خطبات سواتی کی تیسری جلد ہے اس جلد کا بھی بعینہٖ وہی انداز ہے جو اوّل و دوم کا ہے، خطبات کی اس جلد میں مختلف موضوعات سے متعلق چھبیس۲۶ خطبات کو جمع کیا گیا ہے، جن میں سے ہر خطبہ انتہائی قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔ بالخصوص شروع کے آٹھ خطبات جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور گیارھواں خطبہ جس کا عنوان "تحدیث نعمت، علماء دیوبند کی قربانیاں" ہے۔ نہایت اہم ہیں۔ عمدہ کتابت وطباعت اور نہایت مناسب قیمت کے ساتھ خطبات کی یہ جلد مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

(ن ــــ د)

مکتبہ اخوت کی شاہکار کتابیں

○ مولانا ابوالکلام آزادؒ (بحیثیت مفسر قرآن) (مجموعہ مقالات) 72/=

○ جامع الشواھد ابو الکلام آزادؒ 64/=

غیر مسلم کے مساجد میں داخلہ کے متعلق شرعی دلائل (تصحیح شدہ نسخہ)

○ ابوالکلام آزادؒ (فکرونظر کی چند جہتیں) ضیاء الحسن فاروقی 78/=

○ ابو الکلامؒ آزاد کا اسلوب نگارش عبدالمغنی 60/=

○ انقلاب 1857ء (جدید انکشافات) پی سی جوشی رمحمد علی فارق 90/=

1- مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ، 2- مکی دارالکتب یوسف مارکیٹ،

اردو بازار لاہور

ملک کی ممتاز دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان کا

65 واں

عظیم الشان سالانہ

جلسہ

حسبِ روایت

18، 19، 20 اکتوبر ۱۹۹۶ء

بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہو رہا ہے جس میں پاکستان کے علاوہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات برطانیہ، ہندوستان اور دیگر ممالک کی ممتاز علمی، دینی شخصیات مشائخ عظام، علماء کرام، مذہبی سکالر اور قائدین شرکت فرما رہے ہیں

جامعہ کے فضلاء، احباب و رفقاء، معاونین و قارئین اور شرکا تاریخیں نوٹ فرمالیں

الداعی الی الخیر: محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس رجسٹرڈ ملتان

فون 75783-544440

"انوارِ مدینہ" میں مسلسل چھپنے والے مضمون حاصل مطالعہ کی چار سالہ قسطیں اب کتابی شکل میں "جواہر پارے" کے نام سے شائع ہو گئی ہیں۔

علمی ○ ادبی ○ تاریخی

جواہر پارے

مولانا نعیم الدین
فاضل جامعہ مدنیہ، لاہور

مکتبہ قاسمیہ
۱۷- اردو بازار، لاہور